ماہنامہ

برجستہ

بانی: غلام حیدر شیخ

چیف ایڈیٹر:
اویس حیدر شیخ

لاہور اور کویت سے بیک وقت اشاعت

ONLINE EDITION

VOLUME: 4 | ISSUE 50 | APRIL 2026

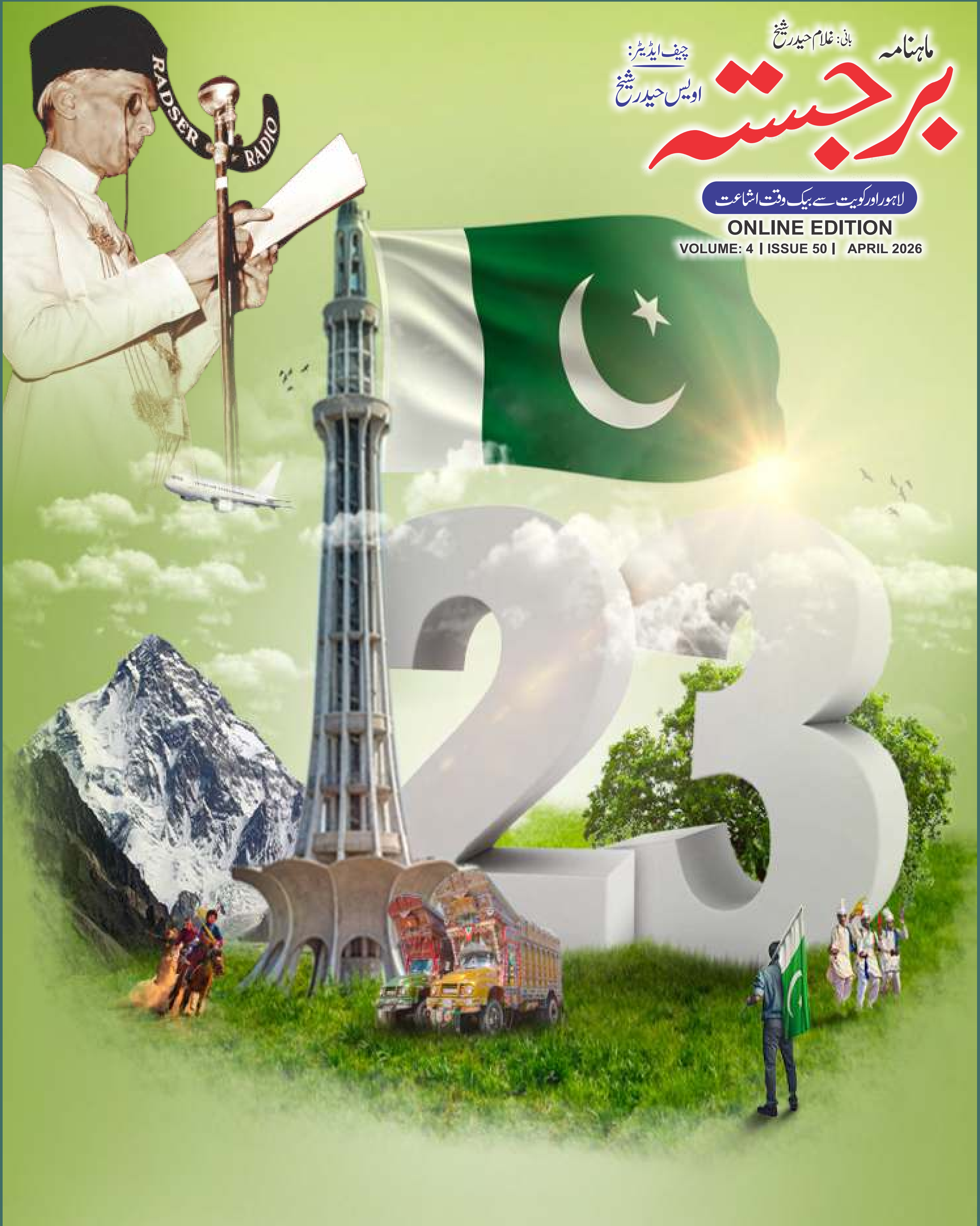

PAKISTAN DAY

RISE
MALL & RESIDENCIA
A PROJECT BY
ETIMAAD
PROPERTY NETWORK
20.26%
NEW YEAR DISCOUNT
START THE NEW YEAR WITH A
SMART INVESTMENT
ON ALL APARTMENTS &
COMMERCIAL OUTLETS AT
RISE MALL & RESIDENCIA
Limited Time Offer
1-A, JINNAH AVENUE COMMERCIAL,
AL-KABIR TOWN PHASE-2, MAIN RAIWIND
ROAD LAHORE
VISIT NOW
therise.com.pk

ماہنامہ

برجستہ

لاہور اور کویت سے بیک وقت اشاعت

سرورق		فرنٹ
اشتہار		صفحہ 2
فہرست		صفحہ 3
اداریہ	توانائی بچت مہم اور زمینی حقائق	صفحہ 4
کالم مضامین	نیا زمانہ۔۔۔زمانے کی تبدیلی	صفحہ 5-6
کالم مضامین	جنگی جنون	صفحہ 7-8
کالم مضامین	23 مارچ خوابِ آزادی سے موجودہ حقیقت تک	صفحہ 9
کالم مضامین	یومِ پاکستان: قربانیوں، جدوجہد اور قومی اِتحاد کی یادگار	صفحہ 10-11
کالم مضامین	23 مارچ: نظریۂ پاکستان اور میثاق توحید و رسالت کا تاریخی پس منظر	صفحہ 12-13
کالم مضامین	صوبہ پنجاب کا تاریخی شہر: بہاول پور	صفحہ 14-15
کالم مضامین	پولن الرجی	صفحہ 16
کالم مضامین	محبت سے محرومی تک: خاندانی تعلقات کا بدلتا رنگ	صفحہ 17
کالم مضامین	عالمی کشیدگی کے پاکستان پر اثرات	صفحہ 18
کالم مضامین	علامہ اقبال مسجد قرطبہ میں	صفحہ 19-20
کالم مضامین	ہماری ملی تاریخ کا سنگ میل۔۔۔23 مارچ	صفحہ 21-22
فیچر	یہودیوں کا دُنیا پر حکومت کرنے کا منصوبہ	صفحہ 23-24
ایک شاعر ایک تعارف	اختر شیرانی کا تعارف	صفحہ 25
طب و سائنس	شوگر کے مریض کیا کھائیں اور کیا نہ کھائیں؟	صفحہ 26
دین حق	زکوۃ: اسلامی معیشت کا سنہری اُصول	صفحہ 27-28
بچوں کی کہانیاں	لومڑی اور چیل کی دوستی	صفحہ 29
کھیل کھلاڑی	شاہد آفریدی اور شاہین آفریدی۔۔۔ایک ہیرو۔۔۔ایک۔۔۔	صفحہ 30
فلمی دُنیا	سیاست پاکستان کی پہلی آرٹ فلم	صفحہ 31
اشتہار		صفحہ 32

اشتہارات کے لئے رابطہ کریں

+965-6600-6571 FOR KUWAIT

+92-322-5300-703 FOR PAKISTAN

ISSN # : 3080-9746

توانائی بچت مہم اور زمینی حقائق

ایران امریکہ جنگ کے تناظر میں پیدا ہونے والے توانائی بحران کے پیش نظر حکومت پاکستان نے پٹرول و گیس کی بچت کا جو پروگرام یا منصوبہ ایک ہفتہ پہلے پیش کیا تھا، اب وزیر اعظم شہباز شریف نے اس پر عملدرآمد کی نگرانی کا ٹاسک آئی بی کو سونپ دیا ہے، اس حوالے سے جاری ہونے والے نوٹیفکیشن کے مطابق آئی بی وفاقی وزارتوں، ڈویژنز اور خود مختار اداروں میں کفایت شعاری مہم پر عملدرآمد کی نگرانی کرے گی۔ نوٹیفکیشن میں کہا گیا ہے کہ قومی اسمبلی و سینیٹ سیکرٹریٹ میں بھی کفایت شعاری مہم پر عملدرآمد کی نگرانی کا ٹاسک آئی بی کے سپرد ہے۔ آئی بی حکومتی کفایت شعاری مہم پر عمل درآمد کی ہفتہ وار رپورٹ وزیر اعظم اور متعلقہ کمیٹی کو پیش کرے گی۔ یاد رہے کہ وزیر اعظم نے چند روز پہلے مشرق وسطیٰ میں تغیر پذیر حالات کے پیش نظر تین چار فوری اقدامات کیے تھے۔ ایک تو پٹرولیم مصنوعات کے نرخوں میں فوری اور خاصا بڑا اضافہ کر دیا گیا۔ دوسرا پٹرول و ڈیزل کی بچت کے لیے پالیسی وضع کی گئی۔ تیسرا در پیش معاشی چیلنجز کے پیش نظر کفایت شعاری مہم کے تحت سرکاری ملکیتی اداروں اور خود مختار اداروں کے ملازمین کی تنخواہوں میں 5 سے 30 فیصد تک کٹوتی کی منظوری دی گئی۔ ان اقدامات کا مقصد اخراجات میں کمی اور ملکی وسائل کی بچت کرنا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ حکومت پٹرولیم اور ایل این جی کے حصول کی کوششوں میں بھی مصروف ہے۔ ایرانی قونصل جنرل اکبر عیسیٰ زادے نے کہا ہے کہ آبنائے ہرمز پاکستانی جہازوں کے لئے کھلی ہے اور تیل یا گیس لے جانے والے بحری جہاز حکومتِ ایران سے رابطہ کر کے اس راستے سے گزر سکتے ہیں۔ یہ راستہ صرف امریکہ، اسرائیل اور ان کے اتحادیوں کے لیے بند ہے۔ ان کے مطابق جارحیت میں ملوث ممالک کے علاوہ یہ گزرگاہ بین الاقوامی تجارت کے لیے کھلی رہے گی۔ یہ ایک اچھی خبر ہے۔ اس طرح دنیا میں توانائی کا بحران اتنا شدت اختیار نہیں کرے گا جتنا آبنائے ہرمز کے مکمل طور پر بند رہنے کی صورت میں اختیار کر سکتا تھا۔

سیکرٹری پٹرولیم نے بتایا ہے کہ ملک میں خام تیل کے ذخائر 11 دنوں کے لیے، ڈیزل کے ذخائر 21 دنوں کے لیے اور پٹرول کے ذخائر 27 دنوں کے لیے ہیں جو کہ کافی ہیں۔ اسی طرح ایل پی جی کا 9 دن کا ذخیرہ ہے، جے پی ون کے ذخائر 14 دنوں کے لیے موجود ہیں۔ انہوں نے مزید بتایا کہ ایران سے آبنائے ہرمز کے راستے مزید تیل بردار جہاز گزارنے کی اجازت کے لیے بات کی جا رہی ہے، اجازت مل جائے تو ہمارے چار جہاز کھڑے ہیں، ساتھ ہی روس سے تیل کی خریداری کی کوشش بھی کی جا رہی ہے۔ ان ساری کوششوں سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ آنے والے دنوں میں کم از کم پاکستان توانائی کے شدید بحران سے محفوظ رہ سکتا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہونا چاہیے کہ توانائی کے بحران کا خدشہ ٹلنے یا کم ہونے کے بعد جاری بچت مہم کو ترک کر دیا جائے یا اس کو نظر انداز کیا جائے۔ توانائی کی بچت مہم ہر صورت میں جاری رہنی چاہیے کیونکہ وقت اور حالات کا یہی تقاضا ہے۔ میرے خیال میں حکومت نے توانائی کی بچت کی جو مہم شروع کی ہے اس پر اگر اس کی روح کے مطابق عمل درآمد یقینی بنا لیا گیا تو نتیجہ خاصا مثبت نکلے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر مشرق وسطیٰ میں جنگ نہ چھڑتی اور توانائی کے ذرائع کی قلت کا بحران سر نہ اٹھاتا تو بھی ہمیں توانائی کی بچت کی اشد ضرورت ہے کیونکہ توانائی کا بڑھتا ہوا استعمال قومی خزانے کو متاثر کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے اثرات عام آدمی پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔ اس سے ہماری برآمدات متاثر ہوتی ہیں، صنعت اور زراعت کے شعبوں پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں اور اس کے نتیجے میں بے روزگاری کی شرح بڑھ جاتی ہے اور بے روزگاری کی شرح بڑھنے کا مطلب ہے ایک نیا معاشی و معاشرتی بحران۔ حالات کا تقاضا ہے کہ ملک میں پبلک ٹرانسپورٹ کی تعداد آبادی کے تناسب سے بڑھائی جائے تاکہ لوگوں میں نجی ٹرانسپورٹ رکھنے کے رجحان کی حوصلہ شکنی ہو۔ اس کا نتیجہ قومی خزانے پر پٹرولیم مصنوعات کی درآمد کے حوالے سے پڑنے والے بوجھ سے نجات کی صورت میں نکلے گا۔ یہ بات خاصے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ جب ہر بندے کو منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے پبلک ٹرانسپورٹ ارزاں اور وافر دستیاب ہو گی تو کوئی بھی اپنی ذاتی ٹرانسپورٹ باہر نہیں نکالے گا۔ ہر کوئی پبلک ٹرانسپورٹ پر سفر کو ہی ترجیح دے گا۔ اس فرق کو تو حکمران اور عام آدمی، دونوں ہی سمجھتے ہیں کہ نجی ٹرانسپورٹ میں ایک گاڑی ایک دو تین یا چار افراد کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتی ہے جبکہ پبلک ٹرانسپورٹ میں ایک گاڑی ایک وقت میں کم از کم ایک سو افراد کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتی ہے، اس طرح پٹرولیم مصنوعات کی اچھی خاصی بچت ہو سکتی ہے۔

ایندھن کے اخراجات عام آدمی کی کمائی کا ایک اہم حصہ استعمال کر جاتے ہیں۔ قیمتیں بڑھیں تو توانائی کی اضافی لاگت اکثر عوام کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے ضروری اخراجات میں کمی کریں یا پھر صورت حال سے نمٹنے کے لیے کھپت کو کم کر دیں۔ پاکستان کا درآمدی ایندھن پر بھاری انحصار اس کی مقامی قیمتوں کو بین الاقوامی جھٹکوں کے لیے انتہائی کمزور بنا دیتا ہے، یعنی ان میں کمی بیشی کسی کے اختیار میں نہیں رہتی، وہی کچھ ہوتا ہے جو عالمی سطح پر ہو رہا ہوتا ہے۔ حکومت کے پاس پٹرول اور ڈیزل پر پٹرولیم لیوی کو کم کر کے اثرات کو کم کرنے کے لیے کچھ گنجائش تھی۔ اس طرح کے اقدام سے عام پاکستانیوں کو ایندھن کی بلند قیمتوں کے اثر سے بچانے میں مدد مل سکتی تھی، لیکن ایسا نہیں کیا گیا جس کے نتیجے میں بحران کے نہ ہوتے ہوئے بھی ملک میں ایک بحران کی سی کیفیت پیدا ہو چکی ہے۔ حتیٰ کہ وفاقی وزیر خزانہ محمد اورنگزیب کو کہنا پڑا کہ ملک میں ایندھن کی دستیابی کی صورت حال تسلی بخش ہے اور عوام کو گھبراہٹ میں خریداری یا غیر ضروری ذخیرہ اندوزی سے گریز کرنا چاہیے۔ ادھر سیکرٹری پٹرولیم نے بتایا ہے کہ 14 اپریل کے بعد ملک میں ایل این جی کی دستیابی ممکن نہیں ہو گی، جس کے باعث اپریل میں پاور سیکٹر کی گیس ضروریات پوری کرنے میں مشکلات پیش آ سکتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جنگی حالات کے ہنگام پٹرول وغیرہ کا بندوبست تو ہو رہا ہے لیکن ایل این جی کا بندوبست نہیں ہو پا رہا۔ اگر ایل این جی کم یاب ہو گئی تو لامحالہ اس کے اثرات پٹرولیم مصنوعات پر مرتب ہوں گے۔ لہٰذا حالات تقاضا کرتے ہیں کہ پٹرول مصنوعات کے ساتھ ساتھ ایل این جی کے حصول کی کوششیں بھی تیز کی جائیں، بصورت دیگر توانائی کی بچت مہم بے وقعت ہو کر رہ جائے گی۔

بانی: غلام حیدر شیخ
ماہنامہ
برجستہ
چیف ایڈیٹر:
اویس حیدر شیخ
لاہور اور کویت سے بیک وقت اشاعت

ہماری ٹیم

ایگزیکٹو ایڈیٹر: علی حیدر شیخ
ایڈیٹر: اصغر علی کھوکھر
مینجنگ ایڈیٹر: عدیل احمد خان
ڈپٹی ایڈیٹر: عائشہ خان
ریزیڈنٹ ایڈیٹر جدہ: امیر محمد خان
لیڈی ایڈیٹر (یو۔کے): ڈاکٹر رابعہ حیدر
ایڈیٹر کویت: محمد عمر
فوٹو گرافر: ذوالقرنین حیدر
مارکیٹنگ اینڈ سرکولیشن: معیز احمد

ISSN # : 3080-9746

نیا زمانہ

زمانے کی تبدیلی۔۔۔۔جدید ٹیکنالوجی اور ہماری ماضی:

حفیظ اللہ خان

گزشتہ سے پیوستہ

وقت گزر گیا۔۔۔۔۔۔۔۔زمانہ واقعی بدل چکا تھا۔

ایک وقت تھا جب ہم ٹی وی کی معمولی نشریات اور محض پی ٹی وی کے ذریعے دنیا سے جڑے ہوتے تھے۔۔۔۔۔۔۔لیکن اب دنیا میں ایک نئی تبدیلی آ چکی تھی۔ٹیکنالوجی کی دنیا میں انقلاب آ چکا تھا اور ہر دن کچھ نیا ہو رہا تھا۔پرائیویٹ ٹی وی چینلز نے سامنے آنا شروع کیا کیبل ٹی وی نے ہمارے گھروں میں رنگین دنیا کی ایک نئی شکل پیش کی۔اس کے ساتھ ہی سادہ موبائل فونز بھی آ چکے تھے NOKIA1112 جن میں صرف کال کرنے اور پیغام بھیجنے کی صلاحیت تھی لیکن وہ بھی ایک نئی دنیا کے دروازے کی مانند تھے۔

ان تبدیلیوں نے ہماری زندگی کو بے حد متاثر کیا۔پہلے صرف ptv پر خبریں اور محدود مگر باعزت، باحیا پروگرام دکھائے جاتے تھے لیکن اب پرائیویٹ چینلز پر مختلف نوعیت کے پروگرامز، فلمیں، ڈرامیا ور تفریحی شوز نشر ہونے لگے جنہیں دیکھ کر ہم پرانی دنیا کی سادگی کو بھول گئے۔کیبل ٹی وی کی آمد نے ہمارے گھروں میں ایک نیا رنگ و رونق ڈال دیا تھا۔ہر گھر میں نئے رنگ، نئی خبریں اور دنیا بھر کے پروگرامز دیکھنے کا موقع ملنے لگا۔

اس کے ساتھ ہی، موبائل فون کی آمد نے تو گویا انقلاب ہی برپا کر دیا تھا۔پہلے ہم جو صرف landline فون پر بات کرتے تھے اور اب ہر ایک کے ہاتھ میں ایک موبائل فون آ گیا تھا جس سے ہم جہاں چاہیں جب چاہیں، کسی سے بھی بات کر سکتے تھے۔لیکن ان موبائل فونز کے ساتھ ایک اور دنیا بھی آئی، سادہ

موبائل فون سے رنگین سکرین والے فون۔۔۔۔۔۔۔

نوکیا 3310

سام سنگ گلیکسی ایس 23 الٹرا

ایپل آئی فون 15 پرو میکس

ہواوے میٹ 60 پرو

ریڈمی نوٹ 12 پرو پلس

بلیک بیری بولڈ 9900

سونی ایرکسن واکمین W800i

موٹرولا ریزر V3

آئی فون

سام سنگ گلیکسی نوٹ 20 الٹرا

ایچ ٹی سی ڈیزائر 820

پوکو F5 پرو

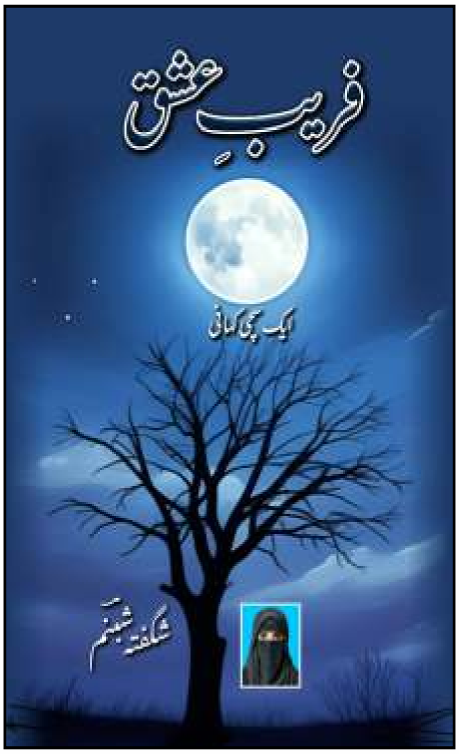

ویوو ایکس 90 پرو

ایپل آئی فون SE

سام سنگ گلیکسی Z فولڈ

۔۔۔۔۔پھر ان موبائلز میں نیٹ جو ہمیں انگریزی ناولوں، فحش ویڈیوز اور ہر قسم کی ویب سائٹس تک رسائی فراہم کرتی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔

ٹیکنالوجی کے اس انقلاب نے ہماری زندگی کو چمکا دیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس نے ہمارے اندر ایک ایسی بے چینی بھی پیدا کی جس کا ہم نے کبھی تصور نہیں کیا تھا۔موبائل فونز اور کیبل چینلز نے ہمیں مختلف قسم کے مواد سے روشناس کرایا جس میں کچھ بہت اچھا تھا اور کچھ ایسا تھا جو ہمیں اپنی تربیت اور اخلاقی اصولوں کے خلاف محسوس ہوتا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

یہ وہ وقت تھا جب ہم نے اپنی جوانی میں قدم رکھا تھا اور ٹیکنالوجی کی دنیا نے ہمیں ایک نئے زاویے سے زندگی دکھائی۔ہم نے سوچا نہیں!!!! کہ ان ٹیکنالوجیز کا استعمال کیسے کیا جائے اور کس طرح اپنی اصل شناخت اور تربیت کو برقرار رکھا جائے۔یہ تبدیلی ہمیں اتنی تیز اور بے وقوفی سے آئی کہ ہم کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ یہ سب کچھ ہمارے اخلاقی انتخاب اور شخصیت پر اثر ڈالے گا۔فیس بک، واٹس ایپ، انسٹاگرام، وی چیٹ، ٹک ٹاک اور دیگر بے شمار ایپلی کیشنز نے رابطے کے نئے دروازے تو کھول دیے لیکن اس کے ساتھ ہی ہمارے معاشرے میں کئی اخلاقی اور سماجی مسائل بھی جنم لے چکے تھے۔یہ ایپلی کیشنز جو بظاہر ایک دوسرے سے جڑنے کا آسان ذریعہ فراہم کرتی تھی درحقیقت انسانی رشتوں کو کھوکھلا کر رہی تھی۔

لوگوں نے حقیقی ملاقاتوں اور خلوص بھرے تعلقات کی جگہ مجازی رابطوں کو ترجیح دینا شروع کر دی۔خاندانی میل جول کم ہو گیا اور موبائل کی اسکرین نے لوگوں کو اپنے قریب بیٹھے افراد سے بھی دور کر دیا۔والدین اور بچوں کے درمیان محبت اور رہنمائی کی جگہ خالی ہو گئی میاں بیوی کے درمیان فاصلہ حائل ہوا ان کے بچے ان کی الفت سے محروم اور سوشل میڈیا کی دنیا میں گم ہو چکے تھے۔

سب سے بڑھ کر یہ ایپلی کیشنز نوجوان نسل کو غیر ضروری دکھاوے، حسد اور دوسروں کی نقالی کی طرف لے جا رہے تھی انسٹاگرام اور ٹک ٹاک جیسے پلیٹ فارمز پر لوگ اپنی زندگی کے مصنوعی پہلوؤں کو نمایاں کر کے دوسروں پر اپنی برتری ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے۔یہ رویہ معاشرتی دباؤ؟ اور ذہنی تناؤ کو فروغ دے رہا تھا جس کی وجہ سے بہت سے نوجوان اپنی اصل زندگی سے غیر مطمئن نظر آتے تھے۔

ISSN # : 3080-9746

فیس بک اور دیگر چیٹ ایپلی کیشنز نے گپ شپ، جھوٹی خبروں، افواہوں بلک میلنگ کو تیزی سے پھیلانے کا ذریعہ بنا دیا۔ لوگ بغیر تصدیق کے ہر قسم کی معلومات شیئر کرتے تھےجو معاشرتی انتشار اور غلط فہمیوں کا باعث بنتی تھی۔

سب سے افسوسناک پہلو یہ تھا کہ یہ ایپلی کیشنز نجی معلومات کو ایک کاروبار کی شکل دے چکی تھی جہاں صارفین کی پرائیویسی کا کوئی تحفظ نہیں تھا۔ ہر لمحہ آپ کی نقل وحرکت، دلچسپی اور ذاتی ڈیٹا ان کمپنیوں کے لیے دستیاب اور ایک منافع بخش سامان اور کاروبار بن چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

تعلقات کی بڑھتی ہوئی شدت اور بے چینی:

رات کے سناٹے میں جب تمام گھر والے گہری نیند میں ڈوبے ہوئے تھےمیں اپنے کمرے میں آکر چپکے سے فون نکال لیتی۔ پہلی بار جب ریحانہ نے مجھے فون کرنے کا طریقہ سکھایا تو میں نے ایک بے پردہ دنیا میں قدم رکھ لی جہاں ہر لمحہ ایک نئی کشمکش اور نئے جذبات کی لہریں اُٹھ رہی تھی۔ وہ رات جب میں امی اور ابو سے چھپ کر باتیں کرتی ایک عجیب سی لذت کا تجربہ ہوا۔ میں وہ لڑکی جو کبھی اپنے والدین سے چھپ کر بات کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی آج اپنے آپ کو انکی نظروں سے چھپاتے ہوئے اس دنیا میں غرق محسوس کررہی تھی۔

شروع میں جب میں اس ناواقف، نامحرم سے بات کرتی تو دل میں ایک عجیب سی جھجک اور اضطراب ہوتا۔ میں اس احساس میں ڈوبی ہوتی کہ کہیں یہ سب کچھ غلط تو نہیں؟ مگر پھر جیسے جیسے وقت گزرتا گیا وہ جھجک اور شرم کم ہوتی گئی۔ رات کا وقت جب دنیا خاموش تھی اور صرف دل کی دھڑکن سنائی دیتی میں اس وقت کا بے چینی سے انتظار کرتی۔ پھر وہ لمحہ آتا جب فون کی اسکرین پر اس کا نمبر ظاہر ہوتا اور میرے دل کی دھڑکن تیز ہوتی گئی۔ وقت جیسے رکتا اور میں اس عالم میں محو ہوتی گئی جہاں صرف وہ اور میں ہوتی۔

اس بے چہرہ دنیا میں قدم رکھتے ہوئے میں نے جو چھوٹی سی لذت محسوس کی وہ میری حقیقت کا حصہ بن گیا اور ہر رات کا وہ لمحہ ایک نئی امید اور بے چینی کے ساتھ گزرنے لگتا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

ملاقات کی جستجو اور حقیقت کا انکشاف:

فون پر بات چیت کی لذت کے ساتھ دل میں ایک ایسی خواہش بیدار ہوئی جو میں نے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی ہر گفتگو کے بعد ایک نیا جذبہ پیدا ہوتا اور میں خود کو اس خوش فہمی میں مبتلا پاتی کہ شاید یہ رابطے، یہ وعدے، یہ باتیں وہ سب کچھ ہیں جو کسی لوسٹوری فلم میں دکھائے جاتے ہیں دل میں ایک امید تھی کہ ہم دونوں کب ایک دوسرے سے مل جائیں؟؟؟؟؟؟

لیکن مجھے کیا علم تھا کہ یہ محض ایک خیالی دنیا ہے! ایک فریب، فریبِ عشق، جو کبھی بھی حقیقت کا روپ نہیں دھار سکتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ فلمیں جو ہمیں دکھاتی ہیں وہ صرف تخیلات ہوتی ہیں۔ وہ سچائی جو ہمیں دکھائی جاتی ہے، وہ کبھی بھی ہماری روزمرہ کی زندگی کا حصہ نہیں بن سکتی۔ یہ جو میں سوچ رہی تھی یہ صرف ایک خواب تھا جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ جیسے فلموں میں دکھایا جانے والا رومان حقیقت نہیں ہوتا ویسے ہی وہ وعدے، وہ ملاقاتیں اور وہ تعلقات بھی، جو میں نے تخیل میں اپنی زندگی کا حصہ سمجھا تھا وہ کبھی بھی اصلی حقیقت نہیں بن سکتے تھے۔ یہ سب کچھ میری آنکھوں کے سامنے ایک حقیقت کے طور پر آیا۔

وہ فلمی دنیا جو مجھے خواب دکھارہی تھی حقیقت میں وہ اتنی رنگین اور جادوئی نہیں تھی۔ سچی محبت، سچا رشتہ، جو ہر فرد کی زندگی میں حقیقی سکون اور اطمینان لاتا ہیوہ صرف ایک حلال رشتہ میں پنہاں ہوتا ہے۔ نکاح کی پاکیزگی میں جو محبت ہوتی ہے۔ وہ نہیں جو فلموں میں دکھائی جاتی ہے۔ فلم ایک حلال رشتے کا ایک منٹ کا دورانیہ بھی نہیں فلما سکتی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ نامحرم سے رشتہ زندگی میں صرف ایک دھندلا سا عکس ہیاور کچھ نہیں۔

(جاری ہے)

ISSN # : 3080-9746

بے نقاب
اورنگ زیب اعوان
laghari768@gmail.com

جنگی جنون

زمانہ قدیم میں بادشاہ اپنی سلطنت کو بڑھانے کے لیے دوسرے ممالک پر حملہ آور ہوتے تھے .فتح کی صورت میں ان کے ہاتھ مال ودولت اور خطہ زمین آتا تھا . مگر بدلہ میں

دونوں طرف ہزاروں بیگناہ لوگوں کا خون ناحق بہہ جاتا تھا. مگر اس جنگی جنون کے خلاف صدائے حق بلند کرنے کے لیے کوئی موثر فورم نہیں تھا . آہستہ آہستہ انسان شعور کی منازل طے کرتا گیا .اس نے اپنی سہولت کے لیے ہر وہ چیز ایجاد کی. جو اس کی زندگی کو سہل بنا دیں .اس نے ہزاروں میل کا سفر طے کرنے کے لیے ہوائی جہاز بنایا .جس کی بدولت مہینوں کی مسافت محض چند گھنٹوں میں طے ہو جاتی ہے . تعلیم کے حصول کے اعلی ترین تعلیمی جامعات بنائی گئی .جن میں دور جدید کے مطابق علوم کی فراہمی کے لیے جدید سہولیات کو متعارف کروایا گیا۔ آج کا نوجوان جدید تعلیم سے آراستہ ہو کر دنیا کی ترقی میں اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔ بدقسمتی سے دفاع کے نام پر ہم لوگوں نے مہلک ترین ہتھیار بھی ایجاد کر لیے ہیں۔ جن میں اٹیم بم جو محض چند سیکنڈ میں دنیا کو صفحہ ہستی سے مٹا سکتا ہے۔ اسی طرح سے دیگر جنگی ساز وسامان جو انسانیت کے لیے انتہائی خطرناک ہیں۔ دنیا کی ترقی نے ایک طرف انسان کو شعور عطا کیا ہے۔ تو دوسری طرف اس کی حیوانیت کو بھی خطرناک شکل میں پروان چڑھایا ہے۔ زمانہ قدیم میں تو علم کی کمی، پسماندہ طرز زندگی اقوام کے درمیان جنگ کی وجوہات بنتی تھی۔ مگر موجودہ زمانے میں ترقی یافتہ ممالک کے پاس ہر وہ آسائش زندگی موجود ہے۔ جس کی انسان خواہش کر سکتا ہے۔ اس کے باوجود وہ دوسرے ممالک سے دست وگریباں رہتے ہیں۔ کہی مذہب کی آڑ میں۔ تو کہی وسائل پر قابض ہونے کی خواہش میں انسان ایک دوسرے کا ناحق خون بہا رہا ہے۔ بھارت اور پاکستان ہمسایہ ممالک ہیں۔ دونوں ممالک مذہب کے نام پر معرض وجود میں آئے۔ دونوں طرف انسان بستے ہیں۔ جو امن سے زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ مگر بھارت نے ہمیشہ پاکستان پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی ہے۔ جواب میں پاکستان کو بھی اپنے دفاع کے لیے ہمیشہ ہتھیار اٹھانے پڑے ہیں۔ امریکہ دنیا کا ترقی یافتہ ملک ہے۔ اس کی عوام خوشحال زندگی گزار رہی ہیں۔ ترقی پذیر ممالک کے لوگوں کی خواہش ہے۔ کہ وہ امریکہ جا کر اپنی زندگی گزارے۔ ان کی نظر میں امریکہ دنیا میں کسی جنت سے کم نہیں۔ امریکہ کو کسی ملک سے کوئی خطرہ بھی نہیں۔ کیونکہ جغرافیائی لحاظ سے اس کے اردگرد کوئی ملک اس کا دشمن نہیں۔ جو اس پر حملہ آور ہو سکے۔ علم نے انسان کو وہ شعور عطا کیا ہے۔ کہ وہ ہر مذاہب کے انسان کو انسان سمجھتا ہے۔ اور ہر کسی کو اپنے مذہب وعقیدہ کے مطابق زندگی گزارنے کو اس کا بنیادی حق تصور کرتا ہے۔ تو پھر ان ممالک کے حکمران انسانیت کے دشمن کیوں بنے ہوئے ہیں۔ امریکہ کے صدر بتا سکتے ہیں۔ کہ ایران کی عوام نے ان کے خلاف کیا جارحیت کی ہے۔ یا اس کو ایران سے کیا خطرہ لاحق ہے۔ اسرائیل ایک یہودی ریاست ہے۔ اس کا وجود جیسے بھی قائم ہوا۔ وہ ایک الگ بحث ہے۔ اس کو اپنے پڑوسی ممالک سے کیا خدشات ہیں۔ یہ کیوں فلسطین کے بیگناہ مسلمانوں کا خون بہا رہا ہے۔ ہزاروں سال کی جدوجہد کے بعد ان ممالک نے اپنے شہروں کو جدید ترین سہولیات سے آراستہ کیا ہے۔ اسرائیل کو دیکھنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا۔ کیونکہ پاکستان نے اسے تسلیم نہیں کیا۔ اس لیے اس کی کوئی خبر یا تصویر ہمارے تک نہیں پہنچ پاتی۔ اب ایران اور اسرائیل کی حالیہ جنگ کے تناظر میں میڈیا اسرائیل کے شہروں کی تصاویر شائع کرتا ہے۔ تو دیکھ کر حیرانگی ہوتی ہے۔ اور انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ کہ اسرائیل کسی بھی لحاظ سے امریکہ اور یورپ سے کم نہیں۔ عالیشان عمارتیں، جدید ترین آسائش

ISSN # : 3080-9746

زندگی سب یورپ اور امریکہ سے بہتر ہے۔ اس نے یہ سب کچھ تعمیر کرنے میں پتہ نہیں کتنے برس لگائے ہوگے۔ مگر اس کے جنگی جنون نے پلک جھپکنے میں اس کے جدید ترین شہروں کو ملبہ کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا ہے۔ اس نے ایران کا نقصان کرنے کے چکر میں اپنا نقصان کروالیا ہے۔ کیا ہی اچھا ہو۔ کہ تمام ممالک اپنے اپنے عوام کی ترقی کے لیے کام کرے۔ اور اپنے ممالک کو دوسروں کے لیے مثال بنا دیں۔ جنگ کسی بھی صورت کسی بھی مسئلہ کا حل نہیں۔ کیونکہ جنگ میں دونوں طرف خون بہتا ہے۔ وہ مسلمان کا ہو یا یہودی کا۔ خون تو انسان ہی کا ہے۔ کاش ہم دنیاوی ترقی کے ساتھ ساتھ ذہنی ترقی کی منازل بھی طے کر پاتے۔ تو آج دنیا امن کا گہوارہ ہوتی۔ ذہنی طور پر ہم آج بھی زمانہ قدیم میں ہی کھڑے ہیں۔ جہاں دوسروں کے دنیاوی وسائل اور خطہ زمین پر قابض ہونا۔ سب سے بڑی کامیابی تصور کیا جاتا تھا۔ فلسطین، ایران، اسرائیل اور امریکہ میں بسنے والے انسان امن کے داعی ہیں۔ وہ سب مل جل کر رہنا چاہتے ہیں۔ مگر اسرائیل کے حکمران پتہ نہیں کس حماقت کا شکار ہے۔ وہ دنیا کے امن کو برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ وہ اپنی عوام کے جان و مال کے بھی دشمن بنے ہوئے ہیں۔ امریکہ جو خود کو دنیا کی سپر پاور سمجھتا ہے۔ وہ اس کو سمجھانے کی بجائے۔ اس کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے۔ اسرائیل اور امریکہ کی عوام اپنے اپنے حکمرانوں سے سوال کرے۔ کہ وہ جنگ سے کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ آج اسرائیل کی عوام اپنے عالیشان گھروں کو چھوڑ کر زیر زمین بنکروں میں زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ امریکہ اور اسرائیل ایران کے پیٹرول کے ذخائر پر میزائل برسا رہے ہیں۔ ایران بھی جواب میں اسرائیل میں پیٹرول کے ذخائر کو تباہ کر رہا ہے۔ جس سے دنیا میں پیٹرول نایاب ہوتا جا رہا ہے۔

دُنیا بھر کے ممالک پیٹرول کی کمی کے سبب مختلف قسم کی مشکلات سے دوچار ہیں۔ افراط زر میں بے پناہ اضافہ ہو رہا ہے۔ اسرائیل کے جنگی جنون نے دنیا کے امن و وجود کو خطرے سے دوچار کر دیا ہے۔ اسرائیل اپنے اسی جنگی جنون کی بدولت آج ہزاروں سال پیچھے چلا گیا ہے۔ اس نے ابھی بھی ہوش کے ناخن نہ لیں۔ تو اپنی بربادی کا خود ذمہ دار ہوگا۔ بربادی محض جنگ میں شکست خوردہ ہونے کا نام نہیں۔ بلکہ وسائل اور انسانی جانوں کا ضیاع بھی بربادی ہی ہوتا ہے۔ اسرائیل کو اپنے جنگی جنون کو ختم کرتے ہوئے۔ مذاکرات سے مسئلہ کا پرامن حل تلاش کرنا چاہیے۔ امریکہ و دیگر ممالک کو بھی اس سلسلہ میں اپنا کلیدی کردار ادا کرنا چاہیے۔

ISSN # : 3080-9746

تحریر: رخسانہ سحر

23 مارچ خوابِ آزادی سے موجودہ حقیقت تک

23 مارچ پاکستان کی تاریخ کا ایک ایسا دن ہے جو صرف ایک قومی تعطیل یا فوجی پریڈ کا نام نہیں بلکہ ایک نظریے ایک جدوجہد اور ایک خواب کی علامت ہے۔ اس دن کو ہم یومِ پاکستان کے طور پر مناتے ہیں کیونکہ اسی دن 1940 میں برصغیر کے مسلمانوں نے ایک الگ وطن کے قیام کا واضح مطالبہ پیش کیا۔ یہ وہ لمحہ تھا جب مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنی مذہبی ثقافتی اور سیاسی شناخت کو محفوظ رکھنے کے لیے ایک علیحدہ ریاست چاہتے ہیں۔

23 مارچ 1940 کو لاہور کے تاریخی مقام مینارِ پاکستان کے میدان میں منعقد ہونے والے اجلاس میں آل انڈیا مسلم لیگ نے وہ تاریخی قرارداد منظور کی جسے بعد میں قراردادِ لاہور یا قراردادِ پاکستان کہا گیا۔ اس قرارداد نے برصغیر کے مسلمانوں کو ایک واضح سمت دی۔

اس وقت مسلمانوں کی قیادت قائداعظم محمد علی جناح کے ہاتھ میں تھی جنھوں نے نہایت بصیرت اور سیاسی حکمت کے ساتھ مسلمانوں کو ایک قوم کے طور پر متحد کیا۔ صرف سات سال کی جدوجہد کے بعد 1947 میں پاکستان ایک آزاد ریاست کے طور پر دنیا کے نقشے پر ابھرا۔

لیکن تاریخ کا ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ کیا ہم نے اس خواب کو اسی طرح پورا کیا جیسا ہمارے بزرگوں نے دیکھا تھا؟ قیامِ پاکستان کا مقصد صرف ایک جغرافیائی ریاست حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا تھا جہاں انصاف، مساوات قانون کی بالادستی اور سماجی فلاح موجود ہو۔

بدقسمتی سے آج پاکستان کو متعدد چیلنجز کا سامنا ہے۔ معاشی مشکلات، مہنگائی سیاسی عدم استحکام تعلیم اور صحت کے مسائل اور سماجی تقسیم ہمارے سامنے کھڑے ہیں۔ عوام کی ایک بڑی تعداد بنیادی سہولیات کے لیے جدوجہد کر رہی ہے۔ نوجوان جو اس ملک کا سب سے بڑا سرمایہ ہیں، اکثر مایوسی اور بے یقینی کا شکار نظر آتے ہیں۔

تاہم تصویر کا دوسرا رخ بھی موجود ہے۔ پاکستان ایک نوجوان ملک ہے جس کی بڑی آبادی نوجوانوں پر مشتمل ہے۔ ٹیکنالوجی، تعلیم اور عالمی رابطوں نے نئی نسل کو ایسے مواقع فراہم کیے ہیں جو ماضی میں موجود نہیں تھے۔

پاکستانی نوجوان دنیا کے مختلف شعبوں میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا رہے ہیں۔ اگر یہی توانائی مثبت سمت میں استعمال ہو تو پاکستان ترقی کی نئی منازل طے کرسکتا ہے۔

23 مارچ ہمیں صرف ماضی کی یاد نہیں دلاتا بلکہ ہمیں اپنے حال کا احتساب اور مستقبل کی منصوبہ بندی کرنے کا موقع بھی دیتا ہے۔ یہ دن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ پاکستان اتفاق ایمان اور نظم وضبط کے اصولوں پر قائم ہوا تھا۔ اگر ہم ان اصولوں کو اپنی قومی زندگی میں دوبارہ زندہ کریں تو ہم بہت سے مسائل پر قابو پاسکتے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم بطور قوم اپنے اختلافات کو پسِ پشت ڈال کر مشترکہ مقاصد کے لیے کام کریں۔ ایک مضبوط معیشت، معیاری تعلیم، انصاف پر مبنی نظام اور برداشت پر مبنی معاشرہ ہی وہ راستہ ہے جو پاکستان کو اس منزل تک پہنچا سکتا ہے جس کا خواب ہمارے بزرگوں نے دیکھا تھا۔

آخر میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ 23 مارچ صرف ایک تاریخی تاریخ نہیں بلکہ ایک یاد دہانی ہے کہ قومیں صرف قربانیوں سے بنتی ہیں اور مسلسل محنت سے ترقی کرتی ہیں۔ اگر ہم اپنے ماضی سے سبق سیکھیں اور اپنے حال کو درست کریں تو مستقبل یقیناً روشن ہوسکتا ہے۔

ISSN # : 3080-9746

یومِ پاکستان: قربانیوں، جدوجہد اور قومی اتحاد کی یادگار

23 مارچ پاکستان کی تاریخ کا ایک عظیم اور فیصلہ کن دن ہے جو برصغیر کے مسلمانوں کی اجتماعی جدوجہد، عزم اور قربانیوں کی روشن علامت کے طور پر ہمیشہ یاد رکھا جاتا ہے۔ یہ وہ تاریخی موقع تھا جب مسلمانوں نے پہلی بار ایک علیحدہ وطن کے قیام کا واضح اور مضبوط مطالبہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ ہر سال یہ دن پورے پاکستان میں یومِ پاکستان کے طور پر بڑے احترام، عقیدت اور قومی جذبے کے ساتھ منایا جاتا ہے اور اس موقع پر قوم اپنے ماضی کی جدوجہد کو یاد کرتی ہے۔

برصغیر کے مسلمانوں کی سیاسی تاریخ میں 23 مارچ 1940 ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی روز لاہور کے تاریخی مقام منٹو پارک، جو آج اقبال پارک کے نام سے جانا جاتا ہے، میں آل انڈیا مسلم لیگ کے عظیم الشان اجلاس کے دوران ایک تاریخی قرارداد پیش کی گئی۔ یہی قرارداد بعد میں قراردادِ پاکستان کے نام سے مشہور ہوئی اور اس نے مسلمانوں کے لیے ایک آزاد ریاست کے قیام کی بنیاد رکھ دی۔

قراردادِ لاہور دراصل برصغیر کے مسلمانوں کی امنگوں، خواہشات اور سیاسی شعور کا عملی اظہار تھی۔ اس قرارداد کے ذریعے یہ مطالبہ کیا گیا کہ برصغیر کے وہ علاقے جہاں مسلمان اکثریت میں آباد ہیں انہیں ایک آزاد اور خودمختار ریاست کی شکل دی جائے تاکہ مسلمان اپنی مذہبی آزادی، ثقافتی شناخت اور سماجی اقدار کے مطابق اپنی زندگی گزار سکیں۔

اس دور میں برصغیر کے مسلمان مختلف سیاسی، معاشی اور سماجی مشکلات کا سامنا کر رہے تھے۔ انہیں اس بات کا شدید خدشہ تھا کہ متحدہ ہندوستان میں ان کی مذہبی اور ثقافتی شناخت کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ یہی احساس اور خدشہ مسلمانوں کے دلوں میں ایک علیحدہ وطن کے قیام کی خواہش کو مضبوط کرتا گیا۔

تحریکِ پاکستان کی قیادت ایک ایسے عظیم رہنما کے ہاتھ میں تھی جس نے اپنی سیاسی بصیرت اور غیر معمولی عزم کے ذریعے مسلمانوں کو متحد کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے نہایت دانشمندی، ثابت قدمی اور حکمت کے ساتھ مسلمانوں کے حقوق کی آواز بلند کی اور انہیں ایک واضح سمت فراہم کی۔

قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت دراصل مسلمانوں کے لیے امید کی کرن ثابت ہوئی۔ انہوں نے نہ صرف مسلمانوں کو سیاسی طور پر بیدار کیا بلکہ انہیں یہ احساس بھی دلایا کہ اگر وہ متحد ہو جائیں تو اپنے لیے ایک آزاد اور خودمختار وطن حاصل کر سکتے ہیں۔ ان کی قیادت نے تحریکِ پاکستان کو ایک مضبوط اور منظّم شکل دی۔

تحریکِ پاکستان صرف ایک سیاسی تحریک نہیں تھی بلکہ یہ ایک عظیم جدوجہد تھی جس میں لاکھوں لوگوں نے اپنی جان، مال اور آرام تک قربان کر دیے۔ اس تحریک میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین، نوجوانوں اور طلبہ نے بھی بھرپور کردار ادا کیا اور آزادی کے خواب کو حقیقت میں بدلنے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ جب بالآخر 14 اگست 1947 کو پاکستان دنیا کے نقشے پر ایک آزاد ریاست کے طور پر ابھرا تو یہ دراصل کئی برسوں کی مسلسل جدوجہد، قربانیوں اور قربانی دینے والوں کے حوصلے کا نتیجہ تھا۔ آزادی کے اس سفر میں لاکھوں لوگوں نے ہجرت کی تکالیف برداشت کیں اور بے شمار خاندانوں نے اپنی زندگیاں قربان کر دیں۔

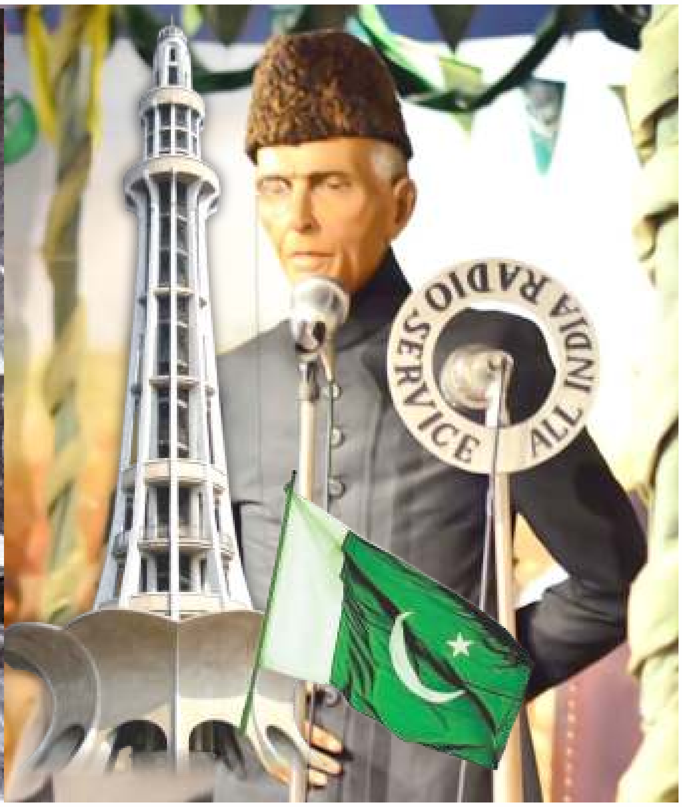

یومِ پاکستان ہمیں ان تمام قربانیوں کی یاد دلاتا ہے جو اس وطن کے قیام کے لیے دی گئیں۔ یہ دن ہمیں اپنے ماضی کی طرف دیکھنے اور یہ سمجھنے کا موقع فراہم کرتا ہے کہ آزادی ہمیں

ISSN # : 3080-9746

کتنی بڑی جدوجہد کے بعد حاصل ہوئی ہے۔

ہر سال 23 مارچ کے موقع پر پورے ملک میں سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر مختلف تقریبات منعقد کی جاتی ہیں۔ اس دن سرکاری عمارتوں، سڑکوں اور اہم مقامات کو قومی پرچم اور خوبصورت روشنیوں سے سجایا جاتا ہے جس سے پورا ملک ایک جشن کا منظر پیش کرتا ہے۔ اسلام آباد میں اس دن ایک شاندار فوجی پریڈ کا انعقاد بھی کیا جاتا ہے جو یومِ پاکستان کی تقریبات کا سب سے اہم حصہ ہوتی ہے۔ اس پریڈ میں پاکستان کی مسلح افواج اپنی پیشہ ورانہ مہارت، نظم وضبط اور دفاعی صلاحیتوں کا شاندار مظاہرہ کرتی ہیں۔ فوجی پریڈ کے دوران جدید ہتھیاروں، میزائل سسٹمز اور دفاعی ٹیکنالوجی کی نمائش بھی کی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ فضائیہ کے جنگی طیارے فضائی مظاہرے پیش کرتے ہیں جو ہر دیکھنے والے کے دل میں فخر اور جذبہ حب الوطنی کو مزید مضبوط کر دیتے ہیں۔

یومِ پاکستان کے موقع پر ملک بھر کے تعلیمی اداروں میں بھی خصوصی تقاریب منعقد کی جاتی ہیں۔ طلبہ تقاریر، ملی نغموں اور مختلف ثقافتی پروگراموں کے ذریعے تحریکِ پاکستان کی تاریخ کو زندہ کرتے ہیں اور قومی ہیروز کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔ میڈیا اور اخبارات بھی اس دن خصوصی پروگرام نشر کرتے ہیں اور تاریخی مضامین شائع کرتے ہیں۔ ان پروگراموں کا مقصد قوم کو پاکستان کی تاریخ، تحریکِ آزادی اور اس کے پس منظر سے آگاہ کرنا ہوتا ہے۔ یہ دن ہمیں یہ احساس دلاتا ہے کہ آزادی ایک بہت بڑی نعمت ہے جس کی حفاظت اور قدر کرنا ہر شہری کی ذمہ داری ہے۔ ہمیں اپنے ملک کی ترقی، استحکام اور خوشحالی کے لیے ہمیشہ مثبت کردار ادا کرنا چاہیے۔

آج پاکستان کو مختلف معاشی، سماجی اور سیاسی چیلنجز کا سامنا ہے۔ ایسے حالات میں قومی اتحاد، باہمی احترام اور اجتماعی کوششوں کے ذریعے ہی ہم ان مشکلات پر قابو پا سکتے ہیں۔ اگر ہر فرد اپنے حصے کی ذمہ داری کو سمجھتے ہوئے ایمانداری، محنت اور دیانت داری کے ساتھ کام کرے تو یقیناً پاکستان کو درپیش مسائل کو کم کیا جا سکتا ہے اور ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا جا سکتا ہے۔ یومِ پاکستان ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ جب ایک قوم متحد ہو کر اپنے مقصد کے لیے جدوجہد کرتی ہے تو کوئی بھی طاقت اسے کامیابی حاصل کرنے سے نہیں روک سکتی۔ تحریکِ پاکستان کی کامیابی دراصل اسی اتحاد، عزم اور قربانی کا نتیجہ تھی جس نے مسلمانوں کو ایک مضبوط قوم بنا دیا۔ آج بھی اگر ہم اسی جذبے کو زندہ رکھیں تو پاکستان کو درپیش مشکلات کا حل نکالا جا سکتا ہے۔ آج کی نوجوان نسل پاکستان کا سب سے بڑا سرمایہ اور مستقبل کی امید ہے۔ نوجوانوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ تعلیم کو اپنا ہتھیار بنائیں اور محنت، دیانت اور مثبت سوچ کے ساتھ آگے بڑھیں۔ اگر نوجوان اپنے کردار اور صلاحیتوں کو درست سمت میں استعمال کریں تو وہ نہ صرف اپنی زندگی بلکہ پورے ملک کے مستقبل کو روشن بنا سکتے ہیں۔

ہمیں چاہیے کہ ہم قائداعظم محمد علی جناح کے سنہری اصولوں یعنی اتحاد، ایمان اور نظم کو اپنی زندگی کا حصہ بنائیں۔ یہی اصول ہمیں ایک مضبوط، منظّم اور ترقی یافتہ قوم بنانے میں مدد دے سکتے ہیں۔ اگر ہم ان اصولوں کو عملی زندگی میں اپنائیں تو معاشرے میں نظم وضبط، دیانت داری اور اجتماعی ترقی کی نئی راہیں کھل سکتی ہیں۔

پاکستان لاکھوں قربانیوں کے بعد حاصل کیا گیا ایک قیمتی وطن ہے۔ اس کی حفاظت، استحکام اور ترقی کے لیے ہر پاکستانی کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیے۔ ہمیں اپنے ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر قومی مفاد کو ترجیح دینا ہوگی تاکہ پاکستان ایک مضبوط اور باوقار ریاست کے طور پر دنیا میں اپنا مقام مزید مستحکم کر سکے۔

یہ دن ہمیں اپنے قومی ہیروز کو یاد کرنے اور ان کی قربانیوں کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ ہمیں ان عظیم رہنماؤں کے نظریات، اصولوں اور قربانیوں کو ہمیشہ زندہ رکھنا چاہیے تاکہ آنے والی نسلیں بھی ان سے رہنمائی حاصل کر سکیں اور ملک کی خدمت کے جذبے کو اپنے دلوں میں زندہ رکھیں۔ یومِ پاکستان دراصل امید، حوصلے اور روشن مستقبل کا پیغام دیتا ہے۔ اگر ہم متحد ہو کر ملک کی ترقی کے لیے کام کریں، اپنی ذمہ داریوں کو ایمانداری سے نبھائیں اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں تو پاکستان یقیناً دنیا کی ترقی یافتہ اور کامیاب قوموں میں شامل ہو سکتا ہے۔

ہمیں اس دن یہ عہد کرنا چاہیے کہ ہم اپنے وطن کی سلامتی، خوشحالی اور ترقی کے لیے ہمیشہ متحد رہیں گے۔ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ پاکستان صرف ایک ملک نہیں بلکہ ایک نظریہ، ایک خواب اور لاکھوں قربانیوں کی داستان ہے۔ اسی احساس کے ساتھ ہمیں پاکستان کو ایک مضبوط، باوقار اور روشن مستقبل والی ریاست بنانے کے لیے اپنی بھرپور کوشش جاری رکھنی چاہیے۔

www.barjastatv.com
ISSN # : 3080-9746

23 مارچ: نظریۂ پاکستان اور میثاقِ توحید و رسالت کا تاریخی پس منظر

تحریر: صاحبزادہ ذیشان کلیم معصومی

کائنات کی وسعتوں میں ارادہِ الٰہی کے تحت جب کسی عظیم الشان مقصد کی آبیاری مقصود ہوتی ہے، تو قدرت اس کے اسباب بھی آسمانی فیضان سے پیدا کر دیتی ہے۔ برصغیر پاک و ہند کی ہزار سالہ تاریخ میں 23 مارچ 1940ء کا دن محض ایک سیاسی اجتماع یا کسی خشک قرارداد کی منظوری کا وقت نہیں تھا، بلکہ یہ اس ازلی و ابدی عہدِ وفا کی تجدید تھی جو صدیوں قبل صحرائے عرب کی تپتی ریت پر "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی صورت میں رقم ہوا تھا۔ تاریخ کے ماتھے پر یہ دن اس لیے درخشندہ ہے کہ اس روز بکھرے ہوئے تسبیح کے دانوں کو ایک لڑی میں پرو کر ایک ایسی ریاست کا خواب دیکھا گیا جس کی بنیاد جغرافیہ، نسل، زبان یا رنگ پر نہیں بلکہ خالصتہً عقیدۂ توحید اور نظامِ مصطفیٰ ﷺ پر استوار تھی۔

دنیا کے نقشے پر صرف دو ہی ایسی ریاستیں ہیں جن کا وجود کلمہ طیبہ کے مقدس رشتے پر قائم ہوا۔ پہلی "ریاستِ مدینہ" جس کی بنیاد فخرِ کائنات، امام الانبیاء، رحمتِ دو عالم ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے رکھی، اور دوسری "سرزمینِ پاکستان" جسے اولیائے کرام کا فیضان اور برصغیر کے مسلمانوں کی بے پناہ قربانیوں کا ثمر قرار دیا جاتا ہے۔ نظریۂ پاکستان دراصل اسلام کے اس آفاقی تصورِ قومیت کا عملی ظہور ہے جس نے چودہ سو سال قبل کفر و شرک کے ایوانوں میں لرزہ طاری کر دیا تھا۔ جب ہم 23 مارچ کے تاریخی پس منظر کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں کا مطالبہ زمین محض ایک خطہِ ارضی کے حصول کے لیے نہ تھا، بلکہ یہ ایک ایسی تجربہ گاہ کی جستجو تھی جہاں قرآن و سنت کے زریں اصولوں کے مطابق ایک مثالی معاشرت کی تشکیل کی جا سکے۔

23 مارچ کی اس تاریخی قرارداد کی پشت پر جہاں سیاسی اکابرین کی بصیرت تھی، وہاں ان جلیل القدر علماءِ حق اور مشائخِ عظام کا فیضانِ نظر بھی شامل تھا جنہوں نے اپنے علمی استدلال سے قوم کے دلوں میں عشقِ رسول ﷺ اور جذبِ حریت کی شمع روشن کی۔ تحریکِ پاکستان کی فکری بنیادوں کو استوار کرنے میں امامِ اہلِ سنت، مجددِ دین و ملت شاہ احمد رضا خان فاضلِ بریلوی کی فکر نے وہ کلیدی کردار ادا کیا جس نے دو قومی نظریے کو شرعی بنیادیں فراہم کیں۔ آپ کی تعلیمات نے مسلمانوں کو یہ شعور بخشا کہ کلمہِ توحید کے ماننے والے اپنی جداگانہ تہذیب اور تمدن کے سبب ایک علیحدہ قوم ہیں۔

اسی طرح قطبِ عالم حضور پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی کی روحانی ہیبت اور علمی جلال نے برصغیر کے مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کی اور انہیں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کی روحانی قوت عطا کی۔ تحریکِ پاکستان کے ہراول دستے میں غازیِ کشمیر علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری جیسے جلیل القدر علماء شامل تھے، جنہوں نے اپنی بے مثال قیادت سے تحریک کو عوامی طاقت بخشی۔ ان کے ساتھ ساتھ پیرِ طریقت حضرت سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری، مجاہدِ ملت مولانا عبدالستار خان نیازی، محدثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد اور امیرِ ملت پیر سید جماعت علی شاہ جیسے نفوسِ قدسیہ نے اس نظریے کی آبیاری کی۔ ان بزرگانِ دین نے قریہ قریہ جا کر یہ پیغام عام کیا کہ پاکستان کا مطالبہ محض ایک سیاسی نعرہ نہیں بلکہ یہ اسلام کی بقا اور مسلمانوں کے جداگانہ تشخص کی ضمانت ہے۔ صوفیائے کرام کا یہ ماننا تھا کہ سرزمینِ پاکستان دراصل اولیاء اللہ کی دُعاؤں کا ثمر ہے، اسی لیے اسے "فیضانِ اولیاء" بھی کہا جاتا ہے۔

اس تاریخی سفر میں افکار کی جو تابناکی اور جذبوں کی جو فراوانی نظر آتی ہے، اس نے منتشر قوم کو ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دیا۔ جب شیرِ بنگال مولوی اے کے فضل الحق نے قرارداد پیش کی، تو فضا "اللہ اکبر" کے نعروں سے گونج اٹھی۔ یہ نعرے اس بات کا اعلان تھے کہ اس تحریک کی روح "توحید و رسالت" ہے۔ برصغیر

ISSN # : 3080-9746

کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے لاکھوں فرزندانِ توحید نے اپنے قائد محمد علی جناح کے پیچھے کھڑے ہوکر یہ ثابت کر دیا کہ وہ کسی مادی مفاد کے پیچھے نہیں بلکہ اپنے ایمانی تحفظ کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ ادبی اعتبار سے دیکھا جائے تو اس تحریک کو جلا حکیم الامت علامہ اقبال کے ان افکار سے ملی جنہوں نے بار بار اس نکتے پر زور دیا کہ مسلمانوں کی قومیت کا ستون ان کا دین ہے۔ اقبال نے واشگاف الفاظ میں کہا تھا کہ ''قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں تم بھی نہیں''۔

اسلامی حوالے سے اگر دیکھا جائے تو پاکستان کا وجود اس میثاقِ مدینہ کی ایک روحانی کڑی معلوم ہوتا ہے جہاں سرکارِ دو عالم ﷺ نے مسلمانوں کو ایک علیحدہ سیاسی و سماجی اکائی کے طور پر تسلیم کرایا تھا۔ نظریہ؟ پاکستان کی بنیاد اس شعور پر ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ 23 مارچ کی قرارداد میں اسی خودمختاری کا تقاضا کیا گیا تھا جہاں مسلمان اپنے عقیدے کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ یہ ملک کسی موروثی بادشاہت کے لیے نہیں، بلکہ خلافتِ راشدہ کے نقشِ قدم پر ایک فلاحی ریاست کے قیام کے لیے مانگا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تحریکِ پاکستان کا ہر سپاہی یہ پکارتا نظر آیا کہ ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ''۔ یہ نعرہ اس تحریک کا منشور، اس کی روح اور اس کا مقصدِ اولین تھا۔

آج جب ہم یومِ پاکستان مناتے ہیں تو ہمیں اس علمی و تاریخی ورثے کی حفاظت کرنی ہے جو ہمیں اسلاف سے ملا ہے۔ 23 مارچ کی یہ یادگار ہمیں پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ ہماری بقا صرف اور صرف اس نظریے کے استحکام میں ہے جس کی خاطر لاکھوں جانوں کے نذرانے پیش کیے گئے۔ یہ ملک ایک امانت ہے ان بزرگوں کی جنہوں نے ہجرت کی اذیتیں سہیں، ان ماؤں

کی جنہوں نے اپنے جگر گوشے قربان کیے اور ان مجاہدوں کی جنہوں نے اپنے خون سے اس چمن کی آبیاری کی۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی تحریروں، اپنے خطبوں اور اپنی عملی زندگی میں اس نظریے کو دوبارہ زندہ کریں جو 1940ء میں مسلمانوں کے اتحاد کا سبب بنا تھا۔ پاکستان کی تعمیر و ترقی کا راز اسی نظریاتی وحدت میں ہے کہ ہم رنگ، نسل اور زبان کے بتوں کو توڑ کر صرف اور صرف ''مسلم'' بن کر ابھریں۔

مختصر یہ کہ 23 مارچ ایک عہدِ نو کی نوید ہے، ایک ایسی صبح کا عنوان ہے جس نے ظلمتِ شب کو چیر کر برصغیر کے افق پر امید کا سورج روشن کیا۔ یہ دن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ''لا الٰہ الا اللہ'' صرف ایک ذکر نہیں بلکہ ایک مکمل نظامِ انقلاب ہے جو انسان کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کر کے خدا کی بندگی میں لے آتا ہے۔ ہمیں اپنی علمی کاوشوں کے ذریعے نئی نسل کو اس تاریخ سے روشناس کرانا ہوگا تاکہ وہ جان سکیں کہ پاکستان اللہ کا ایک عظیم عطیہ اور فیضانِ مصطفیٰ ﷺ ہے اور اس کی حفاظت ہمارا ایمانی فریضہ ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ملک کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے اور ہمیں اس نظریے کا سچا پاسبان بنائے جس کی بنیاد پر یہ ریاستِ خداداد وجود میں آئی۔

ISSN # : 3080-9746

صوبہ پنجاب کا تاریخی شہر: بہاول پور

جو کبھی ایک ریاست ہوا کرتی تھی، جسے نواب بہاول خان عباسی نے آباد کیا

رانا عدیل احمد خان

بہاول پور شہر نواب بہاول خان نے آباد کیا جو نواب صاحب کے نام پر ہی بہاول پور کہلایا۔ مدت تک یہ شہر ریاست بہاول پور کا دارالحکومت رہا۔ عباسی خاندان یہاں حکمران رہا اور تاریخی حوالے سے بہاول پور کو اس لیے اہمیت حاصل ہے کہ پاکستان کے بننے کے بعد پاکستان سے الحاق کرنے والی پہلی ریاست بہاول پور ہی ہے۔ بہاول پور پاکستان کا گیارواں بڑا شہر ہے۔ بہاول پور شہر کی پانچ تحصیلیں ہیں۔ بہاول پور کے نور محل، دربار محل اور گلزار محل اس کی خوبصورتی میں بہت اضافہ کرتے ہیں۔ بہاول پور میں موجود قلعہ دراوڑ بہاول پور کو مزید خوبصورت اور تاریخی شہر کا درجہ دیتا ہے۔ یہ شہر میں موجود ایک تاریخی پارک نیشنل پارک کے نام سے جانا جاتا ہے۔

تہذیب و ثقافت کے لحاظ سے اس شہر کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ یہاں ایک بہت بڑا اور خوبصورت نور محل ہے جو اس وقت کے نواب آف بہاول پور نے بنوایا تھا۔ اب یہ تاریخی محل سرکاری دفاتر کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ بہاول پور کی جدید عمارات میں لائبریری، سٹیڈیم، جامعہ اسلامیہ (اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور)، صادق پبلک اسکول، قائداعظم میڈیکل کالج، کامرس کالج طلباء وطالبات کے لیے دیگر متعدد کالج اور فنی ادارے شامل ہیں۔

اگر بہاول پور شہر کے کلچر کی بات کی جائے تو اسے نوابوں کا شہر بھی کہا جا سکتا ہے کیوں کہ یہاں بہت سے نواب اور بادشاہ اپنی زندگی بسر کر چکے ہیں۔ یہ شہر تاریخ دانوں اور سیاحوں کے لیے بھی بہت اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ یہاں بہت سی تاریخی عمارتیں آج بھی موجود ہیں۔ اگر بہاول پور کی زبان کے بارے میں بات کی جائے تو یہاں پر نوے فیصد آبادی لوکل لوگوں کی ہے اس لیے یہاں اردو زبان آسانی سے سمجھی جاتی ہے۔ انگلش زبان صرف انگلش جاننے والے ہی پڑھ سکتے ہیں۔ اس شہر میں پنجابی زبان زیادہ بولی جاتی ہے جس میں سرائیکی زبان خاصی بولی جاتی ہے۔ بہاول پور میں مختلف تہذیب کے لوگ رہتے ہیں جو بہاول پور خاص، چولستان اور پنجاب سے تعلق رکھتے ہیں۔ صحرائی علاقوں میں رہنے لوگ پنجابی اور راجستھانی زبان ملا کر بولتے ہیں جب کہ کچھ علاقوں میں بلوچی زبان بھی بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

یہاں کے لوگ جسامت میں بہت قد آور اور مضبوط ڈیل ڈول کے مالک ہوتے ہیں۔ صحرائی علاقوں میں رہنے والے لوگ زیادہ تر مٹی کے گھروں اور جھونپڑیوں میں رہتے ہیں۔ یہ لوگ موسمی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتے رہتے ہیں۔ بہاول پور میں بہت سے شاپنگ مال بھی قائم ہیں جن میں رکھی ہوئی چیزیں سیاحوں کو اپنی جانب کھینچتی ہیں۔ مچھلی بازار اور فرید گیٹ شہر کی دو پررونق جگہیں ہیں جہاں ہر وقت لوگوں کا ہجوم لگا رہتا ہے۔ بہاول پور کے دو شاپنگ مال تکبیر شاپنگ مال اور بوبی پلازہ لوگوں کی ہر طرح کی ڈیمانڈ کو پورا کرتے ہیں۔

> بہاول پور کے نواب کو برصغیر کی ریاستوں کے مختلف نوابوں نے بھارت سے الحاق کی دعوت دی تو اس وقت کے نواب آف بہاول پور کے تاریخی الفاظ یہ تھے کہ ”ایک گھر کے دو دروازے ہوتے ہیں ایک دروازہ سامنے کی طرف کھلتا ہے جب کہ ایک دروازہ پیچھے کی طرف سے کھلتا ہے اور ایک عقلمند آدمی ہمیشہ سامنے کے دروازے سے ہی داخل ہوتا ہے اور میرے گھر کا سامنے والا دروازہ پاکستان کی طرف کھلتا ہے اور میں اپنے سامنے والے دروازے سے ہی اندر جاؤں گا یعنی میں پاکستان سے الحاق کرنے کا اعلان کرتا ہوں“

سیاسی حوالے سے پاکستان کے دوسرے شہروں کی طرح بہاول پور کا سیاسی ماحول بھی کافی گرم رہتا ہے۔ یہاں دو ہزار سترہ کی مردم شماری کے بعد قومی اسمبلی کی پانچ جب کہ صوبائی اسمبلی کی دس سیٹیں انتخاب کے لیے مختص ہیں۔ سیاسی حوالے سے میری خدا تعالیٰ سے دعا ہے کے بہاول پور سے عوام جو بھی نمائندے چنے وہ عوام کے لیے اچھے ترقیاتی کام کریں تا کہ بہاول پور شہر مزید ترقی کرے۔ بہاول پور ایک ذرخیز اور زرعی علاقہ ہے یہاں ہونے والی فصلوں میں کپاس، گنا، گندم اور چاول بہت مشہور ہیں اور بہاول پور کے پھلوں میں آم، امرود اور کھجوریں ایسے پھل ہیں جو دوسرے ممالک میں بھی درآمد کیے جاتے ہیں جب کہ بہاول پور کی سبزیوں میں پیاز، ٹماٹر، گوبھی، گاجر اور آلو بھی کافی مشہور ہیں۔

اس شہر کی مشہور شخصیات میں عبدالرحمان مکی لشکر طیبہ کے ممبر، سابق کرکٹر اعجاز اختر، فٹبال کے کھلاڑی محمد عادل، مرتضیٰ حسن (مستانہ) ٹی وی ایکٹر و کامیڈین، مرتضیٰ حسین کرکٹر، محترمہ نوشی گیلانی اردو شاعرہ، شاہد خان پاکستانی نژاد امریکی بزنس مین، طارق بشیر چیمہ سیاست دان، سابق پی سی بی چیئرمین ذکاء اشرف اور ضیاء احمد کرکٹر کا تعلق بھی بہاول پور سے ہے۔

بہاول پور شہر کی تاریخ دیکھتے ہوئے ہم اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کے بہاول پور نے ہمیشہ پاکستان کا ساتھ دیا ہے جب پاکستان آزاد ہوا تو بہاول پور کے نواب کو برصغیر کی ریاستوں کے مختلف نوابوں نے بھارت سے الحاق کی دعوت دی تو اس وقت کے نواب آف بہاول پور کے تاریخی الفاظ یہ تھے کہ ”ایک گھر کے دو دروازے ہوتے ہیں ایک دروازہ سامنے کی طرف کھلتا ہے جب کہ ایک دروازہ پیچھے کی طرف سے کھلتا ہے اور ایک عقلمند آدمی ہمیشہ سامنے کے دروازے سے ہی داخل ہوتا ہے اور میرے گھر کا سامنے والا دروازہ پاکستان کی طرف کھلتا ہے اور میں اپنے سامنے والے دروازے سے ہی اندر جاؤں گا یعنی میں پاکستان سے الحاق کرنے کا اعلان کرتا ہوں“۔ اس لیے میری خدا تعالیٰ کی ذات سے دُعا ہے کہ میرے پاکستان کے خوبصورت صوبے پنجاب کا خوبصورت شہر بہاول پور ہمیشہ قائم ودائم رہے۔ آمین۔

ISSN # : 3080-9746

بہاول پور کے تاریخی مقامات

پاکستان کے علاقے جنوبی پنجاب کا شہر بہاولپور تاریخی اعتبار سے نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ آج کے بلاگ میں ہم آپ کو بہاولپور کے 10 تاریخی مقامات کی سیر کرائیں گے جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ تاریخی اعتبار سے جنوبی پنجاب کسی سے کم نہیں۔

بہاولپور پاکستان کے صوبہ پنجاب کا وہ ضلع ہے جو یہ صحرائے چولستان کے قریب واقع ہے۔ اس شہر میں 10 ایسے تاریخی مقامات موجود ہیں جو کہ عالمی سطح پر بہاولپور کی ایک منفرد پہچان کو اُجاگر کرنے میں کلیدی کردار ادا کر رہے ہیں۔

عباسی مسجد

دورِ قدیم کے دلفریب فنِ تعمیر کی شاہکار عباسی مسجد کو 1849ء میں ریاست کے نواب بہاول خان نے تعمیر کروایا تھا۔ تاریخ کے جھروکوں میں یہ بات عیاں ہے کہ نواب آف بہاولپور بہاول خان فنونِ لطیفہ، ثقافت اور شاہی طرزِ تعمیر کے ذوق کے حوالے سے اس وقت کے سماجی حلقوں میں اپنی ایک منفرد پہچان رکھتے تھے۔ مسجد کے میناروں میں زمانہ قدیم سے نصب شدہ اعلیٰ معیار کا سنگِ مرمر آج بھی اس دور کے طرزِ تعمیر کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ اس مسجد کو کچھ دیر اگر آپ تکتے رہیں تو یقین کیجیے کہ آپ برِصغیر کے انیسویں صدی کے اس سحر انگیز دور میں لوٹ جائیں گے۔

سینٹرل لائبریری

اطالوی فنِ تعمیر کا شاہکار بہاولپور کی سینٹرل لائبریری پنجاب کی دوسری بڑی لائبریری ہے۔ اس میں ایک لاکھ قیمتی کتابوں کا خزانہ موجود ہے اور 1947ء سے لے کر اب تک کے تمام بڑے اخبارات کا اعزازی ریکارڈ بھی اس لائبریری کا حصہ ہیں۔ یہ لائبریری بصارت سے محروم اور دیگر معذور افراد کو بھی مطالعے کی سہولت فراہم کرتی ہے جو کہ مطالعے کے شوقین افراد کے لئے کسی نعمت سے کم نہیں۔

قلعہ ڈیراور

یہ بہاولپور شہر سے 130 کلومیٹر دور جنوب کی سمت میں واقع ہے۔ اس قلعے کی خوبصورتی دیکھنے کے لائق ہے۔ اس کے چالیس برج ہیں جو صحرائے چولستان میں چاروں اطراف میلوں تک نظر آتے ہیں۔ یہ دراصل راجپوتوں کا قلعہ تھا اور اس کی تعمیر 9 ویں صدی عیسوی میں کی گئی۔ پانچ فٹ موٹی دیواریں اس قلعے کو آج بھی مضبوط اور قائم ودائم رکھے ہوئے ہیں۔ صدیاں بیت جانے کے باوجود اس قلعے کی مضبوطی اور پائیداری سیاحوں اور ماہرینِ آثارِ قدیمہ کے لئے آج بھی دلچسپی کا محور ہیں۔

نور محل

نواب آف بہاولپور کی شاہانہ طرزِ زندگی کا عکاس نور محل بہاولپور شہر سے گزرتی کنال روڈ کے قریب واقع ہے۔ اسے بہاولپور کے نواب صادق محمد خان نے 1872ء میں اپنی اہلیہ کے لئے تعمیر کروایا تھا۔ اس کا آرکیٹکچر اطالوی فنِ تعمیر سے مشابہت رکھتا ہے۔ محل کا مخصوص حصہ عوام کی سیر و تفریح کے لئے کھولا گیا ہے جبکہ اس محل کو سرکاری گیسٹ ہاؤس کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

دربار محل

دربار روڈ پر واقع یہ خوبصورت محل دیکھنے والوں کو دنگ کر دیتا ہے۔ یہ محل بھی محبت کی داستان کا عکاس ہے۔ اسے 5 ویں نواب آف بہاولپور نے اپنی اہلیہ سے لازوال محبت کی یاد میں تعمیر کروایا تھا۔ یاد رہے کہ اس محل کی تعمیر 1905ء میں مکمل ہوئی جبکہ 1971 کے بعد سے اسے عام عوام کی تفریح اور سیاحت مکمل طور پر بند کر دیا گیا ہے تاہم عمارت کے بیرونی حصے سے آپ اس خوبصورت محل کا بھرپور نظارہ کر سکتے ہیں۔

مقبرہ بی بی جیوندی

یہ بہاولپور کے قریب اوچ شریف کے مقام پر واقع ہے۔ یہ مقبرہ 1493ء میں ایرانی بادشاہ دلشاد نے مشہور صوفی بزرگ خاتون کی قبر پر تعمیر کروایا تھا۔ صوفیاء کی طرف مائل افراد کے لئے یہ مقبرہ دلچسپی کا حامل ہے۔ قبروں کے درمیان موجود یہ خوبصورت قدیم مقبرہ ایک الگ ہی منظر پیش کرتا ہے۔

لال سہانڑا نیشنل پارک

لال سہانڑا نیشنل پارک بہاولپور سے تقریباً 25 کلومیٹر دور مشرق کی سمت میں واقع ہے اور یہ پارک ایک لاکھ ستائیس ہزار 480 ایکڑ رقبے پر محیط ہے۔ اس پارک کا شمار جنوبی ایشیا کے چند بڑے نیشنل پارکس میں شمار ہوتا ہے۔ مذکورہ نیشنل پارک میں دیگر جانوروں کے ساتھ ساتھ نایاب کالے ہرن کی بہتات پائی جاتی ہے۔ ہرن کی ایک نایاب قسم چنکارہ بھی آپ کو یہاں دوڑتی اور پھدکتی ملے گی۔ دوسری جانب پارک میں موجود خوبصورت جھیلیں یہاں آنے والے سیاحوں، فیملیز اور بچوں کی تفریح کو چار چاند لگا دیتی ہیں۔

گلزار محل

گلزار محل خوبصورتی کے لحاظ سے تاریخی عمارتوں میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ اس کی تعمیر یورپین طرزِ تعمیر سے کسی حد تک متاثر ہو کر عمل میں لائی گئی ہے جبکہ اس محل کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ یہ بہاولپور کی واحد عمارت ہے جہاں زمانہ قدیم میں ہی انڈر گراؤنڈ بجلی کی تاروں کا جدید نظام نصب تھا۔

صادق ڈین ہائی سکول

صادق ڈین ہائی اسکول جو کہ آج صادق پبلک اسکول کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، اس کی تعمیر 1911ء میں اس وقت کے نواب آف بہاولپور نے کروائی تھی۔ اس کے خوبصورت طرزِ تعمیر میں گھنٹہ گھر بھی شامل کیا گیا ہے جس سے یہ مزید پُرکشش دکھائی دیتا ہے۔ اسکول میں تقریباً 2000 طلباء آج بھی سالانہ بنیادوں پر تعلیم کے زیور سے آراستہ ہو رہے ہیں۔

فرید گیٹ

بہاولپور ایک ایسی تاریخی ریاست تھی جہاں شہر میں داخلے کے لئے 7 دروازے تھے اور فرید گیٹ ان 7 دروازوں میں سے وہ واحد دروازہ ہے جو آج بھی پورے جاہ و جلال کے ساتھ قائم و دائم ہے۔ رات کی روشنیوں میں دمکتا ہوا یہ تاریخی دروازہ آپ کو سحر انگیز کیفیت میں مبتلا کر دیتا ہے۔

ISSN # : 3080-9746

پولن الرجی

حکیم حارث نسیم سوہدروی

ہمارے ہاں مارچ اور اپریل کے مہینوں میں موسم بہار بہت ہی خوش گوار ہوتا ہے-دن رات برابر گرمی نہ سردی اور ھر طرف پھولوں کی خوبصورت مھک ھوتی ھے جو طبعیت کو تفریحات سے لطف اندوز ھو جانے کی دعوت دیتی ہے پارکوں میں بچے بوڑھے اور نوجوان سیر تفریح کرتے نظر

آتے ہیں-طبعیت میں عجب فرحت اور خوشگواری کا احساس جاتا ھے- جہاں یہ موسم بہار طبعیت میں فرحت لاتا تفریحات کے لئے آمادہ کرتا اور صلاحیت عمل میں اضافہ کرتا ھے وہاں کچھ افراد کے لئے یہ موسم بڑی اذیت کا سبب بھی بنتا ھے یہ وہ لوگ ھیں جن کو پولن سے الرجی ھوتی ہے ایسے افراد کے لئے یہ موسم وبال جان بن کر بہت تکلیف دیتا ہے کیوں کہ ایسے افراد میں پولن سے الرجی کے باعث نظام مدافعت متحرک ہر کر درج ذیل مسائل کا شکار ہو جاتے ہیں

*دم گھٹتا ہے
*سینے میں جکڑن
* گلے میں خراش
* چھینکیں انا
* آنکھوں سے پانی بنا
* زور لگا کر سانس لینا
* کھانسی کا ہونا

ان شکایات اور علامات کی وجہ سے ان کے لئے یہ خوشگوار موسم اذیت کا سامان لے کر آتا ھے- اگر چہ ان علامات کا عرصہ بہت مختصر ہوتا ہے تاھم بہت اذیت ناک ہوتا ہے -کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ھیں جن کو یہ سلسلہ سارا سال چلتا ھے اگر چہ ان کی تعداد بھت کم ہے مگر موسم بہار اور موسم خزاں کے آخری ایام میں زیادہ لوگ شکار ہوتے ھیں اسے پولن الرجی یا الرجک دمہ کا نام دے سکتے ھیں-الرجک دمہ موسم کی تبدیلی پر کسی خاص چیز سے الرجی کے باعث سانس کی شکایت ہونا ہے-کسی شے کے ناموافق ھونے کی وجہ سے مندرجہ بالا علامات ظاہر ہوں اور مریض اذیت محسوس کرے اور جس چیز سے ناموافقت کی وجہ سے صحت کے مسائل پیدا ہوں اسے الرجن کہا جاتا ہے اس موسم میں چونکہ پولن سے الرجی کے باعث سانس کے مسائل پیدا ھوتے ھیں اس لئے پولن الرجی کا نام دیا جاتا ہے- اس کے علاوہ بعض لوگ خشک موسم، سرد ہوائیں، ماحولیاتی آلودگی، فضاء آلودگی کے باعث بھی سانس کی شکایت کا شکار ہو جاتے ہیں- موسم بھار میں ہر طرف پھولوں، پھلوں، پودوں اور گھاس وسبزہ کا دور دورہ ہوتا ھے اس ان کا زیرہ جو پاؤڈر کی طرح ھوتا ھے اور اسے پولن کہا جاتا ھے جو کہ پودوں کی فرٹیلائزیشن (افزائش) کے لئے ضروری ھے اور یہ پھولوں اور پودوں میں سے نکلتا ھے اور فضا میں شامل ھو جاتا ھے جس سے کمزور مدافعت والے متاثر ھو جاتے ہیں اور اس مرض کا شکار بن جاتے ھیں- پولن کا ونٹ ھوا میں ایک کیوبک میٹر میں موجود پولن کی مقدار ہے اگر یہ زیادہ ھوں تو کمزور مدافعتی نظام والے باھر نکلنے پر متاثر ھوکر پولن الرجی کا شکار ھو جائیں گے-ایسا بھی ھوسکتا ھے کہ ھوا میں پولن کی مقدار تو کم ھو مگر جس سے کسی فرد کو الرجی ھو وہ ھوا میں زیادہ مقدار میں ہو اس موسم میں اس مرض کے مریضوں کو گھر سے باہر صرف ضروری کام سے نکلنا چاہئے اور وہ بھی ماسک پھن کر-ہوا کے دن کم سے کم باہر نکلے اور اپنے کمرے کی کھڑکیاں، دروازے بند رکھیں۔

* ادراک والی چاے پینا مفید ہے۔
*دہی میں موجود پروبائیوٹکس مفید ھے-دھی کا استعمال کریں
*بستر کی چادر اور کپڑے با قاعدگی سے گرم پانی سے دھوئیں
* نمک ملے پانی سے یا نیم کے تازہ پتے ابال کر اس نیم گرم پانی سے ناک کو طرز وضو دھویا کریں۔

دوا علاج

گل بنفشہ چھ گرام تخم میتھی (میتھی دانہ) چھ گرام دار چینی تین گرام ادھا گلاس پانی میں جوش دے کر چھان کر رات کو نیم گرم پی لیا کریں پندرہ یوم کا استعمال مفید نتائج دیتا ہے۔

ISSN # : 3080-9746

محبت سے محرومی تک: خاندانی تعلقات کا بدلتا رنگ

زندگی میں سب سے مضبوط اور گہرا تعلق خاندان کا ہوتا ہے، جو محبت، قربانی، اعتماد اور باہمی احترام کی بنیاد پر قائم رہتا ہے۔ یہی رشتہ شناخت دیتا ہے، سہارا فراہم کرتا ہے اور مشکل وقت میں ڈھال بن جاتا ہے۔ مگر بعض اوقات یہی تعلق آزمائش کا سبب بھی بن جاتا ہے، جب اس میں غلط فہمیاں، غیر حقیقی توقعات اور ناقدری شامل ہو جائیں۔ ایسے حالات میں دل کے اندر ایک خاموش طوفان جنم لیتا ہے جو بظاہر نظر نہیں آتا، مگر اندرونی سکون کو آہستہ آہستہ متاثر کرتا رہتا ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ کوئی شخص اپنی زندگی محنت، جدوجہد اور قربانی میں گزار دیتا ہے، اپنے پیاروں کی خوشی کے لیے اپنی خواہشات تک قربان کر دیتا ہے، مگر جب اس کی قدر نہیں کی جاتی تو دل میں ایک گہرا خلا پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ خلا صرف الفاظ کی کمی سے نہیں بلکہ رویوں کی سردمہری سے جنم لیتا ہے، اور یہی رویے سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں کہ کیا واقعی ان کوششوں کی کوئی اہمیت بھی ہے یا نہیں۔

خاندانی نظام میں مالی معاملات ہمیشہ حساس اور نازک نوعیت کے حامل ہوتے ہیں، کیونکہ ان کا تعلق براہِ راست اعتماد اور ذمہ داری سے ہوتا ہے۔ جب ان معاملات میں شفافیت، دیانت اور احترام کا فقدان ہو تو چھوٹی سی بات بھی بڑے اختلاف کا سبب بن جاتی ہے۔ ایک دوسرے پر سوال اٹھانا، ماضی کی قربانیوں کو نظر انداز کرنا اور جذبات کو نہ سمجھنا، رفتہ رفتہ تعلقات میں دراڑ ڈال دیتا ہے۔ بعض اوقات یہ محسوس ہوتا ہے کہ دیے گئے وقت، محنت اور محبت کو کبھی تسلیم ہی نہیں کیا گیا، اور وجود کو محض ایک ذمہ داری سمجھا گیا ہے۔ یہ احساس دل میں ایک ایسی چبھن پیدا کرتا ہے جو وقت کے ساتھ بڑھتی جاتی ہے اور رویوں کو متاثر کرتی ہے۔ یہی چبھن کبھی خاموشی کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور کبھی غصے کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے، اور دونوں ہی صورتیں تعلقات کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں۔

غصہ ایک فطری جذبہ ہے جو ہر دل میں موجود ہوتا ہے، مگر جب یہ قابو سے باہر ہو جائے تو فیصلے بھی جذباتی اور غیر متوازن ہو جاتے ہیں۔ ایسے لمحوں میں وہ باتیں زبان پر آ جاتی ہیں جن کا بعد میں افسوس ہوتا ہے، اور وقتی کیفیت تعلقات میں مزید کشیدگی پیدا کر دیتی ہے۔ اسی طرح کبھی وقتی دوری اختیار کر لی جاتی ہے، مگر دل کا بوجھ کم ہونے کے بجائے اور بڑھ جاتا ہے۔

ذہنی دباؤ اور جذباتی تکلیف کا اثر صرف سوچ اور احساسات تک محدود نہیں رہتا بلکہ جسمانی حالت پر بھی نمایاں ہوتا ہے۔ بے چینی، کمزوری، تھکن اور دل کا بوجھ جیسے احساسات اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اندر سے ٹوٹ پھوٹ جاری ہے اور سہارا دینے والے ہاتھ کی ضرورت ہے۔ ایسے وقت میں تنقید یا الزام کے بجائے ہمدردی اور سمجھ بوجھ زیادہ کارگر ثابت ہوتی ہے۔

ہر دل میں یہ خواہش پوشیدہ ہوتی ہے کہ اسے سمجھا جائے، اس کی بات کو غور سے سنا جائے اور اس کی قربانیوں کو سراہا جائے، کیونکہ یہی چیزیں اندرونی سکون فراہم کرتی ہیں۔ جب یہ خواہش پوری نہیں ہوتی تو تنہائی کا احساس بڑھنے لگتا ہے، چاہے اپنے ہی لوگوں کے درمیان کیوں نہ بیٹھا ہو، اور یہی تنہائی انسان کو مزید خاموشی کی طرف لے جاتی ہے۔ خاندان کے افراد کے درمیان محبت کا ہونا بے حد ضروری ہے، مگر اس محبت کا اظہار بھی اتنا ہی اہم ہوتا ہے۔ صرف دل میں محبت رکھنا کافی نہیں بلکہ اسے الفاظ، رویوں اور چھوٹے چھوٹے اعمال کے ذریعے ظاہر کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ یہی اظہار تعلقات کو مضبوط بناتا ہے اور دلوں کو قریب لاتا ہے، جبکہ اس کی کمی فاصلے پیدا کر دیتی ہے۔

والدین کا کردار ہمیشہ مرکزی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ وہ خاندان کے اندر توازن قائم رکھنے کا ذریعہ بنتے ہیں اور ان کی رہنمائی تعلقات کو درست سمت دیتی ہے۔ اگر وہ انصاف، صبر اور دانائی سے کام لیں تو بڑے سے بڑا مسئلہ بھی حل ہو سکتا ہے، کیونکہ ان کی ایک مثبت بات دلوں کو جوڑ سکتی ہے اور ایک غلط رویہ فاصلے بڑھا سکتا ہے۔ تعلقات میں سب سے بڑی کمی اکثر بات چیت کی ہوتی ہے، کیونکہ دل کی بات دل میں ہی رہ جاتی ہے اور کھل کر اظہار نہیں ہو پاتا۔ جب گفتگو کا دروازہ بند ہو جائے تو غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں، جو وقت کے ساتھ بڑھتی جاتی ہیں اور آخرکار رشتوں کو کمزور کر دیتی ہیں۔

زندگی میں ایسے لمحات بھی آتے ہیں جب سب کچھ چھوڑ کر دور چلے جانے کا خیال آتا ہے، کیونکہ حالات سے تھکن اور بے بسی محسوس ہوتی ہے۔ یہ سوچ دراصل اندر کے دکھ اور مایوسی کی عکاسی کرتی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ مسائل سے بھاگنے کے بجائے ان کا سامنا کرنا ہی اصل ہمت کی نشانی ہے۔ جب تکلیف اپنے ہی لوگوں کی طرف سے ملے تو اس کا اثر دل پر بہت گہرا ہوتا ہے، کیونکہ ان سے محبت اور توقع دونوں وابستہ ہوتی ہیں۔ اجنبیوں کی باتیں اتنی اہم نہیں ہوتیں، مگر اپنوں کے الفاظ دیر تک یاد رہتے ہیں اور دل پر نقش چھوڑ جاتے ہیں، اسی لیے خاندانی تلخی زیادہ دیر تک اثر انداز رہتی ہے۔

کبھی کبھار صرف ایک ہمدردانہ جملہ، نرم لہجہ یا معمولی سا احساس ہی کافی ہوتا ہے جو دل کو سکون دے اور یہ احساس دلائے کہ اکیلا نہیں چھوڑا گیا۔ یہ چھوٹی سی چیز بظاہر معمولی لگتی ہے مگر بڑے زخموں کو بھرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

زندگی کی مصروفیات، ذمہ داریاں اور روزمرہ کی پریشانیاں اکثر جذبات کو نظر انداز کروا دیتی ہیں، اور یہ بھلا دیا جاتا ہے کہ ہر دل حساس ہوتا ہے اور محبت، عزت اور توجہ کا طلبگار ہوتا ہے۔ یہی غفلت آہستہ آہستہ تعلقات کو کمزور کر دیتی ہے۔ جذبات کو دبانے کے بجائے مناسب انداز میں بیان کرنا ضروری ہے تاکہ دوسرے کیفیت کو سمجھ سکیں اور مدد کر سکیں۔ خاموشی بعض اوقات مسئلے کو حل کرنے کے بجائے اسے مزید پیچیدہ بنا دیتی ہے، جبکہ کھلی بات چیت دلوں کو قریب لانے کا سب سے مؤثر ذریعہ ہوتی ہے۔ رشتوں میں توازن قائم رکھنے کے لیے خود احتسابی نہایت اہم ہے، کیونکہ اس سے یہ سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ کہیں اپنے رویے سے کسی کو تکلیف تو نہیں پہنچ رہی۔ یہ سوچ شخصیت کو بہتر بناتی ہے اور تعلقات کو مضبوط کرتی ہے۔

زندگی میں آزمائشیں آتی رہتی ہیں اور ہر کسی کو کسی نہ کسی مرحلے پر مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، مگر اصل کامیابی ان آزمائشوں کا صبر، حکمت اور برداشت کے ساتھ مقابلہ کرنے میں ہے۔ جو لوگ مشکل وقت میں بھی اپنے رویے کو بہتر رکھتے ہیں، وہی آخرکار کامیاب ثابت ہوتے ہیں۔

دوسروں کی نیت پر شک کرنے کے بجائے ان کے حالات اور مجبوریوں کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے، کیونکہ ہر شخص اپنی جگہ کسی نہ کسی آزمائش سے گزر رہا ہوتا ہے۔ یہی سمجھ بوجھ دلوں میں نرمی پیدا کرتی ہے اور تعلقات کو بہتر بناتی ہے۔ معافی ایک بہت بڑی طاقت اور اعلیٰ صفت ہے، کیونکہ معاف کرنا آسان نہیں بلکہ بڑے دل اور مضبوط ارادے کا تقاضا کرتا ہے۔ جو معاف کرنا سیکھ لیتا ہے وہ اپنے دل کو بوجھ سے آزاد کر لیتا ہے اور سکون کی طرف بڑھتا ہے۔ رشتوں کو مضبوط رکھنے کے لیے قربانی دینا ضروری ہوتا ہے، مگر یہ قربانی یک طرفہ نہیں ہونی چاہیے بلکہ دونوں طرف سے کوشش ہونی چاہیے۔ اگر ایک طرف سے مسلسل جدوجہد ہو اور دوسری طرف سے بے رخی ہو تو یہ صورتحال آخرکار تھکن اور مایوسی کا باعث بن جاتی ہے۔

اللہ پر بھروسہ رکھنا اور اپنے معاملات اسی کے سپرد کرنا دل کو سکون دیتا ہے، کیونکہ وہی دلوں کے حال جاننے والا اور ہر مشکل کا حل دینے والا ہے۔ جب یہ تعلق مضبوط ہو جائے تو دنیا کی مشکلات آسان محسوس ہونے لگتی ہیں۔

ہر مشکل کے بعد آسانی آتی ہے اور ہر اندھیرے کے بعد روشنی ضرور ظاہر ہوتی ہے، اس لیے امید کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے اور صبر کے ساتھ آگے بڑھتے رہنا چاہیے۔ یہی امید حوصلہ دیتی ہے اور آگے بڑھنے کا راستہ دکھاتی ہے۔

زندگی کا حسن تعلقات میں پوشیدہ ہے، اور ان تعلقات کو خوبصورت بنانے کے لیے محبت، صبر، برداشت، سمجھ بوجھ اور خلوص کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر یہ اصول اپنائے جائیں تو رشتے نہ صرف قائم رہتے ہیں بلکہ مزید مضبوط اور پائیدار بھی بن جاتے ہیں۔

ISSN # : 3080-9746

تحریر: محمد ریاض انجم

عالمی کشیدگی کے پاکستان پر اثرات

دنیا اس وقت ایک بار پھر غیر یقینی صورتحال سے دوچار ہے۔ امریکہ اور اسرائیل کی جانب سے 28 فروری کو ایران کے خلاف شروع ہونے والے حملوں نے نہ صرف مشرقِ وسطیٰ کو ہلا کر رکھ دیا ہے بلکہ اس کے اثرات دنیا کے دیگر ممالک، خصوصاً پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک پر بھی واضح طور پر محسوس کیے جا رہے ہیں۔ عالمی سیاست میں ہونے والی یہ کشیدگی صرف سرحدوں تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس کے اثرات براہِ راست عوام کی روزمرہ زندگی پر پڑتے ہیں۔

پاکستان، جو پہلے ہی معاشی چیلنجز سے نبرد آزما ہے، اس نئی صورتحال سے شدید متاثر ہو رہا ہے۔ سب سے پہلا اور نمایاں اثر تیل کی قیمتوں میں اضافے کی صورت میں سامنے آیا ہے۔ چونکہ پاکستان اپنی توانائی کی ضروریات کے لیے بڑی حد تک درآمدات پر انحصار کرتا ہے، اس لیے عالمی منڈی میں تیل کی قیمت بڑھنے کا بوجھ براہِ راست عوام پر منتقل ہوتا ہے۔ پٹرول، ڈیزل اور بجلی کی قیمتوں میں اضافہ نہ صرف ٹرانسپورٹ کے اخراجات بڑھاتا ہے بلکہ اس کے نتیجے میں اشیائے خورونوش سمیت دیگر بنیادی ضروریات کی قیمتیں بھی آسمان کو چھونے لگتی ہیں۔

خوراک کی قیمتوں میں اضافہ ایک اور بڑا مسئلہ بن کر ابھر رہا ہے۔ جب ٹرانسپورٹ مہنگی ہوتی ہے تو زرعی اجناس کی ترسیل بھی مہنگی ہو جاتی ہے، جس کا اثر عام آدمی کی جیب پر پڑتا ہے۔ آٹا، چینی، سبزیاں اور دیگر روزمرہ استعمال کی اشیاء پہلے ہی مہنگائی کی زد میں تھیں، مگر اس عالمی کشیدگی نے جلتی پر تیل کا کام کیا ہے۔

حکومتِ پاکستان نے اس صورتحال کے پیشِ نظر کفایت شعاری کے مختلف اقدامات کا اعلان کیا ہے۔ ان اقدامات میں سرکاری اخراجات میں کمی، غیر ضروری درآمدات پر پابندی، اور توانائی کے استعمال میں کمی جیسے فیصلے شامل ہیں۔ بظاہر یہ اقدامات مثبت نظر آتے ہیں، لیکن اصل سوال یہ ہے کہ کیا یہ وقتی اقدامات اس گہرے معاشی بحران کا حل فراہم کر سکتے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ کفایت شعاری وقتی ریلیف تو دے سکتی ہے، مگر یہ کوئی مستقل حل نہیں۔ پاکستان کو اس وقت جس چیز کی ضرورت ہے وہ ایک جامع اور دیرپا معاشی پالیسی ہے۔ توانائی کے متبادل ذرائع، مقامی پیداوار میں اضافہ، اور درآمدات پر انحصار کم کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ جب تک ملک اپنی معیشت کو خود کفیل نہیں بنائے گا، تب تک ہر عالمی بحران اس کے لیے ایک نیا چیلنج لے کر آتا رہے گا۔

مزید برآں، حکومت کو چاہیے کہ وہ عوامی فلاح و بہبود پر خصوصی توجہ دے۔ مہنگائی کے اس طوفان میں سب سے زیادہ متاثر غریب اور متوسط طبقہ ہوتا ہے۔ اگر ان طبقات کو ریلیف نہ دیا گیا تو معاشرتی بے چینی میں اضافہ ہو سکتا ہے، جو کسی بھی ملک کے لیے نقصان دہ ہے۔

آخر میں یہ کہنا بجا ہوگا کہ عالمی حالات پر پاکستان کا کنٹرول نہیں، مگر اپنے داخلی معاملات کو بہتر بنانا اس کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ کفایت شعاری ایک اچھا قدم ضرور ہے، لیکن یہ منزل نہیں بلکہ محض ایک آغاز ہے۔ اصل کامیابی اس وقت ہوگی جب پاکستان ایک مضبوط، خود مختار اور مستحکم معیشت کی بنیاد رکھے گا جو بیرونی جھٹکوں کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔

ISSN # : 3080-9746

علامہ اقبال مسجدِ قرطبہ میں

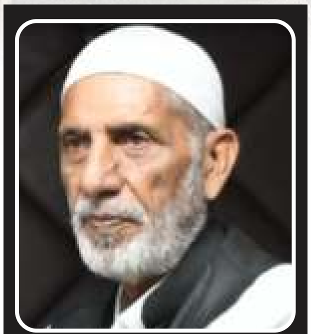

تحریر: حکیم راحت نسیم سوہدروی

تاریخ اسلام میں سپہ سالار طارق بن زیاد کی قیادت میں اندلس کی فتح کے بعد مسلمانوں نے وہاں ساڑھے سات سو سال سے زیادہ عرصہ تک حکومت کی۔ یورپ کی اس عظیم الشان سلطنت کو علم وحکمت اور فنون کا مرکز بنا کر اس کو بے پناہ ترقی سے ہم کنار کیا جسکی روشنی سے یورپ منور ہوا۔ اس دور میں مسلمانوں کا شہرہ یورپ ہی نہیں دُنیا بھر میں ہونے لگا۔ پورا یورپ اس سے مرعوب تھا اور دنیا کی ہر قوم اس سے کوسوں پیچھے تھی۔ مگر دوسرا پہلو اس سے بھی المناک اور خوں چکاں ہے کہ جب اندلس کے ان مجاہدوں نے اس حقیقت کو فراموش کر دیا کہ وہ عقیدہ توحید اور امامت عالم کے امین ہیں تو خدا واحدہ لاشریک نے انہیں فراموش کر دیا جس کے نتیجے میں وہ تاریخ عالم میں اس طرح فنا ہوئے کہ صدیوں گزرنے کے باوجود سرزمین اندلس کا چپہ چپہ ان کی ہلاکت بربادی اور زوال پر ماتم کناں ہے۔ اس ہلاکت اور زوال کا سبب داخلی اتحاد کی کمزوری، فرقہ واریت میں اُلجھنا اور شمشیر وسناں کو چھوڑ کر طا؟س ورباب کا دلدادہ ہونا تھا۔ فرڈ نیارڈ نے 1236ءمیں تقریباً آٹھ سو سال قبل جب مسلمانوں کو شکست دیکر اندلس (اسپین) پر اسلامی اقتدار کا خاتمہ کیا تو مسلمانوں کو ملک بدر بھی کر دیا۔ مسلمانوں کی تعمیر کردہ عمارات اور مساجد پر فاتح عیسائی رائبوں نے قبضہ جمالیا۔ اس طرح قرطبہ کی عالی شان اور پُر شکوہ مسجد جسے مسجد قرطبہ کا نام دیا جاتا ہے اور جسکی تعمیر عبدالرحمٰن اول نے وادی الکبیر کے کنارے 758ءمیں شروع کرائی اور اسکی توسیع دسویں صدی تک جاری رہی۔ اس مسجد میں چودہ سو منقش ستون نصب تھے۔ شاہ فلسطین نے جہاز میں ساڑھے چار سو من قیمتی پتھر بھجوائے۔ اس پر کتبے خط کوفی میں سونے کے موٹے موٹے لفظوں سے لکھے گئے۔ صدیاں گزر گئیں ہیں مگر آج بھی اس کے آثار سے وہ کچھ نظر آتا ہے کہ عقل انسانی ورطہ حیرت میں ڈوب جاتی ہے۔ اندلس (اسپین) میں مسلمانوں کے زوال کے ساتھ ہی دوسری مساجد کی طرح یہ مسجد بھی عیسائی راہبوں کے تسلط میں آگئی جنہوں نے اسے گرجا گھر (Cathdral) میں تبدیل کر دیا۔ منبر اور دیوان میں کوئی تبدیلی نہ کی گئی البتہ اذان اور نماز پر پابندی عائد کر دی گئی کہ اب یہ گرجا گھر ہے جہاں عیسائی عبادت کر سکتے ہیں۔ تقریباً آٹھ صدیاں گزرنے پر علامہ اقبال کو یہ شرف و امتیاز حاصل ہوا کہ انہوں نے اس پابندی کے باوجود مسجد قرطبہ میں نہ صرف اذان دی بلکہ نماز ادا کی۔ اگرچہ اس حوالے سے علامہ اقبال کی کوئی تحریری شہادت موجود نہیں ہے تاہم تصویری ثبوت موجود ہے اور مختلف افراد نے تفصیلات بتائی ہیں جن کے مطابق پہلی گول میز کانفرنس جو 12 نومبر 1930ءتا 19 جنوری 1931 تک لندن میں ہوئی۔ اس میں علامہ اقبال کو شریک نہ کیا گیا۔ دوسری گول میز کانفرنس 7 ستمبر تا یکم دسمبر 1931ءتک ہوئی اس میں علامہ اقبال شریک ہوئے اور کانفرنس کے خاتمے پر مولانا غلام رسول مہر کے ہمراہ برطانیہ سے فلسطین چلے گئے اور موتمر عالم اسلامی میں الوداعی تقریر کر کے واپس ہندوستان آگئے۔ مولانا عبدالمجید سالک کے مطابق ”تیسری گول میز کانفرنس کا آغاز 16 نومبر کو ہونا تھا۔ علامہ اقبال 13 اکتوبر 1933ءکو لاہور سے فرنٹیر میل پر بہ عزم یورپ روانہ ہوئے۔ مقصد یہ تھا کہ لندن پہنچنے سے پہلے ویانا، بوڈاپسٹ، برلن وغیرہ کے علمی مراکز میں دو چار روز قیام کرتے جائیں۔

(ذکر اقبال صفحہ 178)

علامہ اقبال 12 نومبر کو لندن پہنچے تیسری گول میز کانفرنس 17 نومبر کو شروع ہو کر 17 دسمبر 1933ءمیں ختم ہوگئی۔ کانفرنس ختم ہونے کے بعد علامہ پیرس پہنچے اور علمی حلقوں کے علاوہ برگستان سے ملاقات کی۔ اس کے بعد علامہ نے ہسپانیہ کا دورہ کیا۔

(صفحہ 180)

علامہ اقبال خود ایک اخبار کے نامہ نگار سے سفر اسپین بارے فرماتے ہیں۔

”مجھے لندن میں اسپین جا کر لیکچر دینے کی دعوت ملی تھی۔ اسلام کے مرکز کو دیکھنے کا مشتاق تھا۔ میں نے دعوت قبول کر لی“۔ (آئینہ اقبال مرتبہ محمد عبداللہ قریشی صفحہ 198)?

”قرطبہ پہنچنے کے بعد آپ (علامہ) وہاں کی یگانہ روزگار مسجد میں تشریف لے گئے جواب گرجا گھر بن چکی ہے۔ ڈاکٹر علامہ اقبال نے اپنے گائیڈ سے کہا میں یہاں نماز ادا کرنا چاہتا ہوں۔ گائیڈ نے بتایا کہ یہ بات پادریوں کو ناگوار ہوگی اور وہ ہرگز اجازت نہ دیں۔ اقبال اس جگہ مصلی بچھا کر بیٹھ گئے۔ جس کو بے حد مقدس سمجھا جاتا ہے۔ اتنے میں ایک پادری آپہنچا اور زور شور سے احتجاج کرنے لگا۔ اقبال نے پادریوں کی طرف رخ کر کے گائیڈ سے کہا ایک دفعہ مکہ میں عیسائیوں کا وفد کوئی التماس لے کر پیغمبر اسلام کے پاس آیا۔ اس کے اراکین کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا گیا تھا۔ جب ان کی عبادت کا وقت آیا تو وہ متردد تھے کہ انہیں اسکی اجازت دی جائے گی کہ نہیں۔ آنحضرت کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ وہ یقیناً اپنے طور طریقے کے مطابق عبادت کر سکتے ہیں۔ اگر عیسائیوں کو آنحضرت نے اپنی ہی مسجد میں عبادت کرنے کی اجازت دی تھی۔ انہیں ایک ایسی جگہ پر نماز ادا کرنے کی اجازت کیوں نہیں جو کبھی مسجد تھی۔ اقبال سے یہ سن کر کہا میں بڑے پادری

ISSN # : 3080-9746

سے پوچھ کر آتا ہوں۔ اقبال نے پادریوں اور محکمہ آثار قدیمہ کی اجازت لے کر مسجد میں اذان دی جسکی فضا صدیوں سے بے اذان پڑی ہوئی تھی نماز پڑھی۔ آپ کی نماز کی حالت میں ایک پادری نے تصویر بھی اتاری''

(ملفوظات اقبال مرتبہ محمود نظامی صفحہ 318)

مولانا عبدلا مجید سالک لکھتے ہیں۔'' ڈاکٹر صاحب نے یہ سارا واقعہ سید امجد علی کے نام لکھ بھیجا'' (ذکر اقبال صفحہ 138)

علامہ اقبال کا یہ خط تا حال منظر عام پر نہیں آسکا۔ وگرنہ علامہ کے قلم سے یہ تفصیل سامنے آچکی ہوتی۔

مسجد قرطبہ میں علامہ اقبال کی دو تصاویر چھپ چکی ہیں جو روزگار فقیر صفحہ 49,48 پر موجود ہیں۔ یہ دونوں تصاویر ایک ہی سلسلے کی کڑی ہیں۔ ایک تصویر میں وہ مصلیٰ پر قعود کی حالت میں نماز ادا کرنے میں مشغول ہیں جبکہ دوسری تصویر میں مصلیٰ پر ہاتھ میں چھڑی لیے کھڑے ہیں۔ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نماز سے فراغت کے بعد کی ہے۔ یہ تصاویر مسجد کے اس مقام پر لی گئیں ہیں جو بڑی تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ پتہ چلتا ہے کہ علامہ اقبال نے نماز ادا کرنے کیلئے مسلمانوں کے تاریخی اور تہذیبی پس منظر کو ذہن میں لاتے ہوئے اس جگہ کا انتخاب کیا ہوگا۔ یوں اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ علامہ نے طے شدہ پروگرام کے مطابق نماز ادا کی۔ اور یہ کس اضطراری حالت کا نتیجہ نہیں جیسا کہ ان کے بعض تذکرہ نگار یہ تاثر دیتے ہیں علامہ اقبال نے جس جگہ نماز ادا کی وہ مسجد قرطبہ کا دلان ہے اس ہاتھ ایک محرابی راستہ ہے جو خلیفہ الحکم ثانی نے 961 ئمیں تعمیر کرایا تھا۔ یہ فن تعمیر کے حوالے سے انتہائی منفرد خصوصیات کا حامل ہے اور اس قدر اہم ہے کہ اسلامی فن تعمیر اور آرٹ کے نقطہ نظر سے تقریباً ہر کتاب میں مختلف زاویوں نے اس محراب کی تصویر REPRODUCE کی جاتی ہے کہ اس فن تعمیر کے حوالے سے اس کے محاسن بیان کئے جاتے ہیں۔

'' ڈاکٹر صاحب کو قدیم عربی تہذیب سے نہایت دلچسپی بلکہ عشق تھا اور اسپین قدیم زمانے میں عربی تہذیب کا مرکز تھا اور اس زمانے میں اس کا مدفن ہے اس لئے اس سلسلے میں انہوں نے اسپین کا سفر کیا اور اسکی ہر چیز سے متاثر ہوئے۔

ڈاکٹر صاحب نے خالص مذہبی اور تاریخی جذبات کے زیر اثر اسپین کا سفر کیا تھا اور اُس حیثیت سے وہاں کی ہر چیز پر نظر ڈالی۔ اسپین کے سفر میں ڈاکٹر صاحب کو پروفیسر امین سے ملاقات کا موقع ملا (اقبال کامل 29 تا 32 از مولانا عبدالسلام ندوی) علامہ اقبال نے اپنے سفر اسپین اپنے فرزند جاوید اقبال کے نام دو کارڈ بھیجے جو تصویری تھے جس پر مسجد قرطبہ کے عکس تھے اس کے ساتھ ہی لکھا کہ'' میں خدا کا شکر گزار ہوں کہ میں اس مسجد کو دیکھنے کیلئے زندہ رہا مسجد تمام دنیا کی مساجد سے بہتر ہے خدا کرے تم جواں ہوکر اس عمارت کے انوار سے اپنی آنکھیں روشن کرو''۔

علامہ اقبال اسپین کی مسجد قرطبہ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اسپین سے۔ واپسی پر پیرس (فرانس) سے ایڈیٹر انقلاب کے نام اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ

'' مرنے سے قبل قرطبہ ضرور دیکھو،

'' علامہ اقبال 27 مارچ 1933 ئکو محمد اکرام کے نام اپنے خط میں سفر اسپین کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

'' میں اپنی شاعری سے اس قدر لذت گیر ہوا۔ وہاں دوسری نظموں کے علاوہ ایک نظم مسجد قرطبہ پر لکھی گئی۔ جو کسی وقت شائع ہوگی۔ الحمرا کا تو مجھ پر کوئی زیادہ اثر نہیں ہوا لیکن مسجد کی زیارت نے مجھے جذبات کی ایسی کیفیت میں پہنچایا جو مجھے کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔

(اقبال نامہ، جلد دوم ص 321)

علامہ اقبال نے مسجد قرطبہ پر ذیل کی نظم اپنے قیام اسپین کے دوران لکھی جس میں مسجد کی تعمیر معماروں کے جذبے زمان و مکان فلسفہ اور عشق کا مسجد سے تعلق اسپین کے اسلام سے محبت کرنے والے ان لوگوں کو جن کے اجداد مسلمان تھے اور ان کے ابا واجدا مرد مومن کے اوصاف رکھتے تھیان کو اسلامی دنیا کو سر بلند ہونے کے لئے قران حکیم سے تعلق جوڑنے پر زور دیا علامہ اپنی نظم میں اہل اسپین کو مخاطب ہوکر کہتے ہیں کہ صدیاں گذر گئیں مگر تمہاری فضا سے اللہ کی جانب بلانے والی صدا بلند نہیں ہوء اسی نظم میں اسپین کے مسلمانوں کو جھنجھوڑا جس سے ان کے جذبات کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے۔ علامہ اسپین کے لوگوں کو ان لے ہمسایہ مما لک کی مثالیں دے کے بیدار کرتے ہیں اس طرح اسپین والوں کو انقلاب کا راستہ دکھایا اور اپنے ماضی کو عصری تقاضوں سے ہم اھنگ کر کے تبدیلی کی راہ دکھاء

علامہ کی نظم کے چند اشعار ذیل میں دئے جا رہے ہیں

آنی وفانی تمام معجزہ ہائے ہنر
کار جہاں بے ثبات، کار جہاں بے ثبات
اول و آخر فنا باطن و ظاہر فنا
نقش کہن ہوکہ نو منزل آخر فنا
ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات دوام
جس کو کیا ہوکسی مرد خدا نے تمام
مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
تندو سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود ایک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دم جبرائیل عشق دل مصطفےٰ
عشق خدا کا رسول عشق خدا کا کلام
عشق کی مستی سے ہے پیکرگل تابناک
عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاسن الکرام
عشق فقیر حرم عشق امیر جنود
عشق ہے ابن سبل اس کے ہزاروں مقام
عشق کے مضراب سے لقمہ تار حیات
عشق سے نور حیات عشق سے نارحیات
اے حرم قرطبہ عشق سے تیرا وجود
عشق سراپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
رنگ ہویا خشت و سنگ چنگ ہویا صورت
معجزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود
قطرہ خون جگر سِل کو نبھاتا ہے دل
خون جگر سے صدا سوز و سرور و سرود
عرش معلیٰ سے کم سینہ ٔ آدم نہیں
گرچہ کف خاک کی حد ہے سپہرِ کبود
پیکر نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا
اس کو سیر نہیں سوز و گداز سجود
کافر ہندی ہوں میں دیکھ میرا ذوق شوق
دل میں صلوٰۃ و درود لب پر صلوٰۃ درود
شوق میری لے میں ہے شوق میری نے میں ہے
نغمہ اللہ ہو میرے رگ و پے میں ہے
تیرا جلال و جمال مرا خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل
تیری بنا پائیدار تیرے ستون بے شمار
شام کے صحرا میں ہو جیسے ہجوم نخیل
تیرے درو بام پروادی ایمن کا نور
تیرا مینار بلند جلوہ گہ جبرائیل
مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلمان کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سرِ کلیم وخلیل
اسکی زمین بے حدود اس کا افق بے ثغور
اس کے سمندر کی موج دجل دینوب و نیل
اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب
عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحیل
ساقی اربابِ ذوق فارس میدان شوق
بادہ ہے اس کا رحیق تیغ ہے اسکی اصیل
مرد سپاہی ہے وہ اسکی زِرہ لا اِلہ
سایہ شمشیر میں اسکی پناہ لااِلہ

☆☆☆☆☆☆☆

www.barjastatv.com

ISSN # : 3080-9746

ہماری ملی تاریخ کا سنگ میل۔۔۔23 مارچ

تحقیق وترتیب: علی حیدر شیخ

23 مارچ کا روز ہماری ملی تاریخ میں سنگ میل کی حثیت رکھتا ہے -اس روز مسلمانان برصغیر نے قائد اعظم محمد علی جناح کی زیر قیادت ال انڈیا مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اقبال پارک موجودہ مینار پاکستان کے مقام پر قرارداد لاہور کی صورت یہ تاریخی فیصلہ کیا کہ اب ھندوستان کے سیاسی مسئلہ کا واحد حل برصغیر کو تقسیم کر کے مسلم اکثریتی علاقہ کو شمال مغربی حصہ سے ملا کر الگ مملکت قائم کر دی جاے جو ازاد اور خود مختار ہو-مسلمان اس ازاد مملکت کے ذریعے اپنے تہذیبی و ثقافتی ورثہ کو فروغ دینے کے علاوہ اس کے ذریعے دنیا کو پھر سے اسلام کے اس افاقی پیغام سے روشناس کرانا چاہتے تھے جس سے عرب کے صحرا نشین جہاں ارا سے جہاں بان بن گئے اور دنیا جہالت کے اندھیروں سے نکل کر نورانی فضاؤں سے جگمگا اٹھی -دنیا نے دیکھا کہ اس فیصلہ کے صرف سات سال بعد ہی اسلامیان برصغیر نے اتحاد و اتفاق کی بدولت قائد اعظم کی قیادت میں مملکت اسلامی پاکستان 14 اگست 1947 کو حاصل کر کے نہ صرف دنیا کا نقشہ بدل دیا بلکہ تاریخ کا دھارا بدل دیا-قوت و اختیار رکھنے والی دو اقوام انگریز اور ہندو کو بغیر اسلحہ و فوج کے صرف آئینی و جمہوری ذرائع سے شکست دے کر تاریخ کا نیا باب رقم کر دیا-اس سے اندازہ کو جاتا ہے کہ اگر مقاصد نیک اور منزل واضح ہو قیادت دانا اور مخلص ھو تو قوم اتحاد سے منزل سر کر لیتی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تحفظات و مراعات مانگنے والے الگ مملکت کا مطالبہ کیوں کرنے لگے اور الگ وطن کے مطالبہ پر کیسے اصرار کرنے لگے؟ اس کے جواب کے لئے ہمیں ایک طویل اور تاریخی پس منظر نظر آتا ہے جو ایک صدی پر محیط ہے اگر اس کا مطالعہ کیا جاے تو ہر منصف مزاج مسلمانوں کے اس مطالبہ کو جائز قرار دے گا۔مسلمان کوء گیارہ سو سال قبل برصغیر میں فاتح کی حثیت سے وارد ہوے اور اپنے عہد اقتدار میں رواداری اور روشن خیالی کی شاندار مثالیں قائم کیں-انگریز تجارت کی اڑ میں اے اور مسلمانوں کے باہمی نفاق اور گروہ بندی کا فائدہ اٹھا کر اقتدار پر قابض ھو گئے جس کی وجہ سے مسلمان غلامی کی تاریک غار میں چلے گئے- 1857 کی جنگ آزادی انگریزوں کے شدید مظالم کا رد عمل تھا ہندو اس موقع پر انگریز سے مل گئے اگر چہ مسلمانوں نے اپنے عہد اقتدار میں ان سے بڑا مثالی سلوک کیا تھا مگر اب غلامی کا بدلہ لینے کے لئے انگریز سے مل گئے-انگریز نے بھی ہندوں کا بھرپور ساتھ دیا اور انہیں مضبوط بنایا-مسلمان قوم اپنے اقتدار کو واپس لینا چاہتی تھی ایک طرف انگریز تھے تو دوسری طرف ہندو مضبوط اکثریتی قوم تھی-طویل غلامی نے ہندوں کے فکر و نظر میں فساد برپا کر دیا تھا وہ مسلمانوں کو ختم کرنے کے درپے تھے ان حالات میں سرسید احمد خان اگے بڑھے اور علی مسلم یونیورسٹی تحریک سے مسلم قومیت کا چراغ روشن کیا اور مسلمانوں کو ان کی الگ حثیت کا احساس دلایا-تعلیمی و معاشی میدان میں پیش رفت

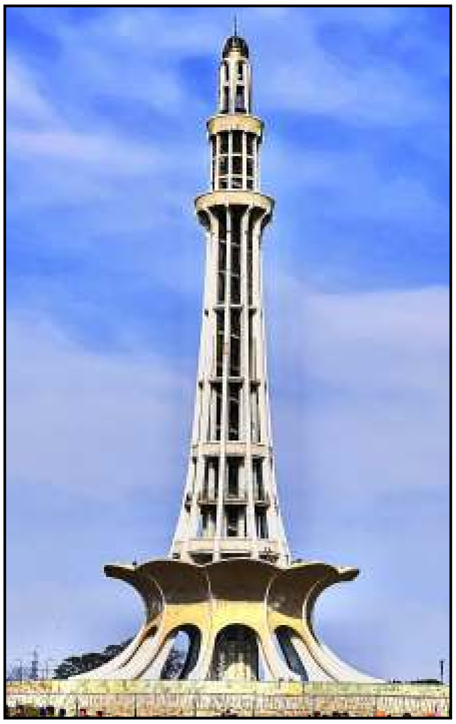

کی ان کی حکمت عملی کامیاب رہی کیوں کہ اسی تحریک سے مسلم لیگ معرض وجود میں اء-سرسید احمد خان وہ عظیم راہنما تھے جھنوں نے کہا کہ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں جلد یا بدیر مسلمانوں کی الگ مملکت ضروری ہے دونوں اقوام اکٹھی نہیں رہ سکتیں-اسی دور میں ملک میں سیاسی زندگی کے نئے دور کا آغاز ہوا -مسلم لیگ کا قیام، اردو ھندی جھگڑے، تقسیم بنگال اور 1909 کی اصلاحات اس دور کے واقعات ہیں مسلمانوں کی ہر ممکن کوشش اور خواہش کے باوجود ہندو مل کر انگریز سے آزادی کی بجاے اکثریت کی بنا پر خود کو انگریز کا جانشین خیال کرتے تھے- 1857 کی جنگ آزادی کے بعد تحریک خلافت اور عدم تعاون میں قربانی کی جو مثالیں قائم کیں اس کی بنا پر ہی انگریزی اقتدار کی چولیں ڈھیلی پڑ گئیں -مسلمان ہر ممکن کوشاں رہے کہ ہر دو اقوام مل کر ازادی کی جنگ لڑیں-قائد اعظم کے چودہ نکات، میثاق لکھنو، اور لارڈ ولنگنڈن کے خلاف مظاہرہ اس کی واضح مثالیں ہیں یہ سب اس اقلیتی قوم کی طرف سے تھا جو انگریز سے آزادی چاہتی تھی مگر جواب میں اکثریتی ہندو قوم نے مسلمانوں کی متاع عظیم تاجدار مدنیہ کی شان میں گستاخیاں کیں اس کے باوجود مسلمان راہنماوں نے آزادی کے مقصد کے حصول کے لئے انہیں انفرادی کوششیں قرار دے کر صرف نظر کیا -بعض رہنماوں نے اس مسلسل اذیت سے نجات کے لئے الگ وطن کے منصوبے پیش کیئے-مگر سب سے اھم تجویز دسمبر 1929 میں آلہ اباد کے مقام پر علامہ اقبال نے پیش کی اس وقت اسے شاعرانہ تخیل قرار دیا گیا اور قوم نے توجہ نہ دی- 1935 کے ایکٹ کے تحت پہلے عام صوباء انتخابات میں جب کامیابی کے بعد کانگریس نے سات صوباء وزارتیں قائم کیں تو ہندو کی ذہنیت واضح ھوگء ہندو ہندی اور رام راج کے پروگرام پر عملدر آمد شروع کیا اور مسلمانوں پر مظالم کا سلسلہ شروع ہو گیا انہی دنوں پنڈت نہرو نے طاقت کے نشہ میں اعلان کیا کہ ہندوستان میں دو ہی طاقتیں ہیں ایک انگریز اور ایک کانگریس-جس پر قائد اعظم نے دوٹوک جواب دیا کہ دو نہیں تیسری طاقت مسلمان بھی ہیں- انگریز اس وقت جنگ عظیم میں الجھا ھوا تھا جس کا کانگریس نے فائدہ اٹھانا چاہا اور عدم تعاون کی دھمکی دی جس پر قائد اعظم نے کہا کہ کوء آئینی ڈھانچہ ہر دو اقوام کی رضامندی کے بغیر ممکن نہیں ھے- کانگریس کی بلیک میلنگ ناکام ھوگء پیرپور کمیٹی کی رپورٹ آنے پر کانگریسی حکومتیں ختم کر دی گئیں جس پر مسلم لیگ نے یوم نجات منایا-اب مسلم لیگ عوامی تنظیم بن چکی تھی اور الگ مملکت کے قیام پر غور و خوص شروع ہو گیا قائد اعظم نے ان دنوں ٹائم اینڈ ٹائیڈ میں مضمون لکھا جس میں حالات پر روشنی ڈالی اور الگ وطن کے مطالبہ پر غور کا ذکر کیا-یہ تھے وہ حالات جن میں ال انڈیا مسلم لیگ کے 22 تا 24 مارچ 1940 کو اقبال پارک لاھور میں اجلاس عام کا اعلان ہوا-یہ اجلاس اپنے پروگرام کے مطابق ہوا اگر چہ اجلاس سے تین روز قبل خاکساروں پر گولیاں

ISSN # : 3080-9746

چلنے کا افسوس ناک واقعہ ھوا مگر قائد اعظم کے اعلان کردہ پروگرام کے مطابق جلسہ ہوا قائد 22 مارچ کو بمب ء سے بذریعہ ٹرین تشریف لائے اور جلوس منسوخ کر کے سیدھا خاکساروں کی تیمارداری کے لئے گئے اور اخبار نویسوں سے گفتگو میں کھا کہ یہ اجلاس ن ء تاریخ رقم کرے گا 21 مارچ کی سہ پھر قائد نے پنڈال میں رسم پرچم کشائی کی 22 مارچ کو لیگ کی کونسل کا اجلاس ہوا اور قرارداد لاھور کا مسودہ موضوعات کمیٹی کے سپرد ہوا جس نے ضروری ترامیم کے بعد حتمی شکل دی 23 مارچ کو اجلاس عام ہوا مسلمانوں برصغیر کا جم غفیر تھا میاں بشیر احمد نے نظم پڑھی شاہنواز ممدوٹ نے خطبہ استقبالیہ پڑھا پھر قائد نے سومنٹ انگلش میں خطاب کیا مگر جلسہ ہمہ تن گوش تھا اس کے بعد اے کے فضل حق نے قرارداد پیش کی مولانا ظفر علی خان نے اردو میں ترجمہ کیا تمام صوبوں کے نمائندوں نے تائیدی خطاب کیا شام ہونے کے باعث اجلاس اگلے روز کے لئے ملتوی ھو گیا چنانچہ 24 مارچ کو قرارداد منظور ھو گ ء جسے تاریخ میں قرارداد پاکستان کے نام سے شہرت ہو ء مولانا ظفر علی خان نے قرارداد کی منظوری پر کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ پاکستان معرض وجود میں آ گیا ہے اور میں اس کی ازاد فضاؤں میں سانس لے رہا ہوں جس پر قائد اعظم نے کہا کہ مولانا اپ نے تو پاکستان قائم کر دیا ہے۔

قرارداد کی منظوری کے بعد مسلمان قوم میں جوش ولولہ پیدا ھو گیا کیوں کہ اب منزل واضح تھی قوم نے علامہ اقبال کا راستہ اپنا لیا تھا ہندو پریس اس کے خلاف سرگرم ھو گیا اور اسے گاو ماتا کی تقسیم سے تشبیہ دینے لگا اس قرارداد کو ناکام بنانے کے لئے ھر حربہ استعمال کو امگر یہ مسلمانوں کے دلوں کی آواز بن گ ء تھی اور مسلمان لیگ کے پلیٹ فارم پر متحد ہو چکے تھے پھر دنیا نے دیکھا کہ 1946 کے انتخابات جو قیام پاکستان کے نام پر لڑے گئے نتائج کے اعتبار سے لیگ مسلمانوں کی نمائیندہ جماعت قرار پا ء اور قرارداد کی منظوری کے سات سال بعد 14 اگست کو پاکستان قائم ھو گیا ہندو نے قیام پاکستان کے بعد بھی پاکستان کے وجود کو دل سے قبول نہ کیا اور اسے ختم کرنے کی مسلسل سعی جاری رکھی 1948، 1965، اور 1971 کی جنگیں اسی کا واضح ثبوت ھیں المیہ مشرقی پاکستان اور مسئلہ کشمیر ہندو کے عزائم کا واضح ثبوت ہیں۔

پاکستان جسے ہم نے اسلام کے نام پر حاصل کیا مگر افسوس کہ یہاں اسلام کو نعرہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہم نے قیام پاکستان کے بعد اس کے مقاصد کے مخالف سمت سفر شروع کر دیا جس کی سزا بھی سقوط ڈھاکہ کی صورت بھگت چکے کیں مگر ابھی بھی سبق نہیں لیا۔ 23 مارچ یوم عہد ہے یوم احتساب ہے کہ ہم نے جن مقاصد کے لئے یہ وطن حاصل کیا تھا ہم نے اس جانب کس قدر سفر کیا ھے۔؟ اج کے روز کر شخص اپنا محاسن کرے کہ اس نے مملکت کی تعمیر و استحکام کے لئے اپنی ذمہ داریاں کس قدر پوری کی ھیں اج کے روز ہر شخص وہ جس شعبہ سے بھی تعلق رکھتا ھے عہد کرے کہ وہ پاکستان کے استحکام کے لئے اپنا فرض ادا کرے گا۔

ISSN # : 3080-9746

یہودیوں کا دُنیا پر حکومت کرنے کا منصوبہ

اویس حیدر شیخ

دو ہزار سال پہلے روم کے باشندوں نے یہودیوں کو فلسطین کے علاقے سے نکال دیا تھا جو کہ اب اسرائیل کہلاتا ہے، یورپی ممالک میں جہاں کی آبادی کی اکثریت عیسائیوں پر مشتمل تھی وہاں یہودیوں کو خارجی (باہر کے لوگ) کی حیثیت سے علیحدہ جگہ بسایا جاتا تھا، یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا نہیں مانتے تھے، کئی صدیوں تک چرچ میں سکھایا جاتا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کی وفات یہودیوں کی وجہ سے ہوئی،، مذہبی تصادم کے ساتھ معاشی تصادم کے ہوتے ہوئے روم کے حکمرانوں نے یہودیوں پر پابندیاں لگا دیں اور ان پر مخصوص ملازمتوں کے حصول کے علاوہ زمین کی ملکیت حاصل کرنے پر پابندی عائد کردی۔

پندرھویں صدی میں اسپین نے یہودیوں کو ملک چھوڑنے پر مجبور کیا، اورانہیں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، انیسویں صدی کے آواخر میں روس اور پولینڈ کی حکومت نے یہودی بستیوں پر پُرتشدد حملے کروائے اس سماجی ابتری کی صورتحال میں یہودیوں کو جان سے ماردیا گیا اور ان کے گھروں اور دکانوں پر لوٹ مار کر کے آگ لگادی گئی، 1890ء کی دھائی میں فرانس میں روس کی خفیہ پولیس کے ایک اہلکار نے یہودی رہبران کے خفیہ اجلاسوں کے بارے میں انکشافات پر مبنی پروٹوکولز نامی دستاویز تیار کی، پروٹوکولز دراصل یہودی لیڈروں کی ملاقاتوں کی تفصیل ہے ان دستاویزات کو عالمی یہودی لیڈروں کے ایک اجلاس کے منٹس کی تفصیلات کو منظر عام پر لایا گیا جس میں روسی اہلکار نے انکشاف کیا کہ ” یہودیوں نے اس اجلاس میں پوری دنیا پر قابض ہونے کی منصوبہ بندی کو حتمی شکل دی ہے، اور یہ تاثر دیا گیا کہ یہودی خفیہ تنظیموں اور ایجنسی کے ذریعے سیاسی جماعتوں، معیشت، اخبارات اور عوامی رائے کو کنٹرول کیا جائے گا، جسے یہودی اپنے مقاصد کے لئے استعمال کریں گے، پروٹوکولز کی یہ دستاویز دنیا کے کئی ممالک میں شائع ہوئی، حتیٰ کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں بھی شائع ہوئیں۔

پروٹوکولز آف دی ایلڈرز آف دا زائیون نامی دستاویزات کے حصوں کو 1903ء میں روسی اخبار زنامیہ (دابینز) میں سلسلہ وار شائع کیا گیا، جس کا درجنوں زبانوں میں ترجمہ ہوا، مجوزہ پروٹوکولز میں دنیا پر حکمرانی کرنے کے غرض سے یہودیوں کے خفیہ منصوبوں کی تفصیل کا بیان دنیا کے سامنے لایا گیا، جس کی رو سے دنیا پر حکمرانی کا مقصد معیشت کو چالاکی سے اپنے ماتحت کرنا ذرائع ابلاغ پر کنٹرول حاصل کرنے اور مذاہب کے درمیان تنازعات پیدا کر کے اپنے مقاصد کی تکمیل ممکن بنانا ہے۔

16 ، ہجری میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کو جب فتح کیا تو عیسائیوں نے ایک معاہدے کے تحت القدس مسلمانوں کے حوالے کیا، کہ ” مسلمان اس سرزمین پر یہودیوں کو بسنے کی اجازت نہیں دیں گے اور نہ ہی یہاں یہودی زمینیں خرید سکیں گے، اس معاہدے کو معاہدہ ” عمریہ“ عربی میں ” شروط عمریہ“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس معاہدے پر ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے دستخط کئے تھے، مسلمانوں نے شروط عمریہ کی پاسداری ساڑھے تیرہ سو سال تک پوری ذمہ داری سے کی ، خلفائے راشدین ، بنو امیہ ، بنو عباسیہ اور عثمانیہ کے حکمران 1920ء تک حرمین اور بیت المقدس کا تحفظ کرتے رہے، لیکن کچھ عرصہ مسلمان بیت المقدس سے محروم رہے، سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے غیور اور عظیم قائد کی میدان جنگ میں بہادری اور ہزاروں قربانیوں کے عوض بیت المقدس مسلمانوں کو دوبارہ حاصل ہوا، فلسطین کے علاقہ پر سلطنت عثمانیہ کی حکمرانی تھی، جو کہ یورپ کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی لہذا سلطنت عثمانیہ کے خلاف یورپ کی تمام طاقتوں نے اتحاد کرلیا اور مشرقی یورپ سے ترکوں کو نکال باہر کیا، ترکوں نے مالی اور جانی نقصان اٹھانے کے باوجود حرمین اور بیت المقدس کے تحفظ میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

پہلی عالمی جنگ کے بعد سلطنت عثمانیہ کو شکست ہوئی تو فلسطین کا علاقہ برطانیہ کے زیر کنٹرول آ گیا، سرزمین فلسطین پر اس دور میں یہودی اقلیت اور عرب اکثریت کے علاوہ دیگر چھوٹے نسلی گروہ بھی آباد تھے، سلطنت عثمانیہ کے سلطان عبدالحمید ثانی کی معزولی کے بعد ترک حکمرانوں نے یہودیوں کو فلسطین میں زمین خریدنے کی اجازت دی، پہلی جنگ عظیم جو برطانیہ، فرانس اور جرمنی کے درمیان ہوئی تھی ، اس کے بعد فلسطین کی

ISSN # : 3080-9746

پوری سرزمین کے حصے بکھرے کر دیئے گئے فلسطین کے کئی ٹکڑے ہوئے ایک چھوٹا سا حصہ کاٹ کر یہودیوں کو دے دیا گیا حالانکہ وہاں یہودی چھ فیصد سے زیادہ آباد نہیں تھے،

1917ء میں بیلفور کا اعلامیہ منظر عام پر آیا، جو کہ اس وقت کے برطانیہ کے وزیر خارجہ آرتھر بیلفور نے برطانیہ کی یہودی برادری سے طے کیا تھا، اس کے تحت عالمی برادری نے ایک منظم منصوبہ بندی سے برطانیہ کو یہودیوں کے لئے فلسطین میں ''نیشنل ہاؤس'' قومی گھر کی تشکیل کی ذمہ داری سونپ دی جس کی وجہ سے یہودیوں اور عربوں کے درمیان کشیدگی نے جنم لیا۔

اس اعلامیہ کو 1922ء میں نوتشکیل شدہ'' لیگ آف نیشنز'' نے توثیق کر دی تھی جو کہ اقوام متحدہ کی ترجیحی حیثیت رکھتا ہے، یہودی یورپ میں ظلم وستم سے تنگ آ کر خاص کر نازیوں سے اپنی جان بچا کر 1920ء اور 1940ء کی دہائیوں کے درمیان ایک بڑی تعداد میں فلسطین میں آ کر آباد ہوئے تھے، یہ ایسی صورتحال تھی جس کی وجہ سے یہودیوں اور عربوں کے درمیان کشیدگی بڑھی اور برطانوی راج کے خلاف نفرت اور تشدد میں بھی اضافہ ہوا، فلسطین کے علاقے میں نسل در نسل آباد عربوں نے اقوام متحدہ کے پیشرو ادارے کے دعوے اور یہودیوں کے لئے ''قومی گھر'' کی شدید مخالفت کی تھی۔

اقوام متحدہ نے 1947ء میں فلسطین کو دو ریاستوں میں تقسیم کرنے کی منظوری دے کر بیت المقدس کو ایک بین الاقوامی شہر قرار دے دیا تھا، لہذا اقوام متحدہ کے اس جانبدارانہ منصوبے سے یہودی تو بہت خوش ہوئے اور اسے من وعن قبول بھی کر لیا لیکن عربوں نے اسے مسترد کر دیا تھا جس کی وجہ سے اس منصوبے پر عمل درآمد نہ ہو سکا لیکن یہودی بدستور اس علاقے پر قابض ہیں، فلسطین کے متنازع مسئلے کے حل میں ناکامی ور خطے میں کشیدگی کے باعث 1948ء میں برطانیہ نے اس علاقے کا کنٹرول چھوڑ دیا، جب کہ یہودیوں نے اسرائیل کے نام سے اپنی ریاست کے قیام کا اعلان کر دیا، یہودیوں کے خفیہ منصوبہ کی یہ ایک کڑی تھی جس کے تحت دنیا میں ظلم وستم سے بھاگنے والے یہودیوں کے لئے ایک محفوظ پناہ گاہ اور وطن کا جواز پیدا کیا گیا۔

یہودیوں کے اسرائیلی ریاست کے قیام کا اعلان ہونے کے دوسرے ہی دن خطے کے پانچ عرب ممالک نے مقبوضہ فلسطین جس پر اسرائیلی ریاست قائم کی گئی تھی حملہ کر دیا، اسی دوران لاکھوں فلسطینیوں کو ان کے گھروں سے بے دخل کر دیا گیا، اس واقع کو ''النکبہ' یعنی تباہی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، 1949ء میں جنگ کے اختتام پر غاصب یہودیوں نے متعدد فلسطینی علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا، مصر نے غزہ کو اپنے زیر کنٹرول کر لیا جبکہ اردن نے فلسطین کے مغربی کنارے پر قبضہ کر لیا جو کہ بعد میں غرب اردن کہلایا گیا۔

1967ء کی جنگ میں اسرائیل کی افواج نے غرب اردن، شام کی گولان کے پہاڑی علاقے غزہ، مشرقی بیت المقدس، اور مصر کا جزیرہ نما سینائی پر قبضہ کر لیا، جنگ کے نتیجے میں فلسطین کے زیادہ تر پناہ گزینوں اور ان کی اولادوں نے غزہ اور غرب اردن کے علاوہ پڑوسی ممالک، شام، اردن، اور لبنان میں پناہ لی جو کہ اب بھی وہیں مقیم ہیں، اسرائیل ان پناہ گزینوں کو ان کے آبائی علاقوں میں واپس جانے کی اجازت اس وجہ سے نہیں دیتا کہ اس طرح اسرائیل مغلوب ہو جائے گا اور یہودی ریاست کے طور پر اس کے وجود کو خطرہ لاحق ہو جائے گا۔

غاصب اسرائیل اب بھی مغربی کنارے پر قابض ہے، اور سارے بیت المقدس کو اپنا دارالحکومت قرار دیتا ہے، امریکہ اسرائیل کی پشت پناہی پر ڈٹا ہوا ہے اور یہ ان ممالک میں سے ایک ہے جنہوں نے بیت المقدس کو اسرائیل کا دارالحکومت تسلیم کر رکھا ہے، اسرائیل کو غرب اردن اور مقبوضہ بیت المقدس میں یہودی بستیاں قائم کئے آج 50 برس بیت چکے ہیں، جہاں اب ساٹھ لاکھ سے زیادہ یہودی آباد ہیں، عالمی سطح پر اور بین الاقوامی قانون کے تحت ان بستیوں کو غیر قانونی قرار دیا گیا ہے لیکن اسرائیل ہمیشہ کی طرح عالمی رائے عامہ اور بین الاقوامی قوانین کی پاسداری نہیں کرتا اور مسترد کر دیتا ہے۔

امریکہ اسرائیل کا سب سے بڑا اور قریبی اتحادی ہے، جو موجودہ مشرق وسطی میں کشیدگی کو بڑھاوا دینے میں بہت بڑا کردار ادا کر رہا ہے، اکتوبر 2023ء تک امریکہ نے یہودی ریاست کو 260 ارب ڈالر سے زیادہ کی فوجی اور اقتصادی امداد دی ہے، اسرائیل کے خلاف حماس اور حزب اللہ کو جنگ سے روکنے کے لئے مشرقی بحیرہ روم میں دو طیارہ بردار جنگی بحری جہاز بھی تعینات کر رکھے ہیں، روس کے صدر ولادیمیر پوٹن نے مشرق وسطی میں امن کی عدم موجودگی کا ذمہ دار امریکی پالیسی کو قرار دیا ہے اور حماس کے حملوں کی مذمت کرنے سے انکار کیا ہے،

غزہ کی پٹی متعدد مسلح تنازعات سے بھری ہوئی ہے، جس کی تاریخ تقریباً چار ہزار سال پرانی ہے، اس خطے کو مختلف ادوار میں مختلف سلطنتوں نے غزہ پر حکومت کی اور اس کی حیثیت کو تاراج بھی کیا انسانی حقوق کی عالمی تنظیمیں اور خود فلسطینی غزہ کو ''کھلی جیل'' قرار دیتے ہیں۔

عیسائیوں نے جن شرائط اور معاہدہ عمریہ کے تحت فلسطین مسلمانوں کے حوالے کیا تھا، اب وہی عیسائی یہودیوں کی بے پناہ حمایت اور اسرائیل کے مددگار بنے ہوئے ہیں، سر دست دنیا کی دو بڑی طاقتیں فلسطین کی تباہی پر متفق ہیں اور یہ طے ہے کہ اسرائیل کے منصوبے گریٹر اسرائیل کی معاون بن گئیں ہیں، جس کے نتیجے میں گریٹ اسرائیل اردن، شام، عراق، ترکی کا جنوبی علاقہ، مصر کے زرخیز علاقے ڈیلٹا کے علاوہ صحرائے سینا اور سعودی عرب کے شمالی علاقے کے ساتھ مدینہ منورہ کو شامل کرنے کی مذموم سازش ہے۔

ان تمام ممالک اور ان کے علاقوں کو اسرائیل میں شامل کرنے کے بعد یہودی منصوبے کے تحت مسجد اقصیٰ اور القدس کی پہاڑی جسے (ڈوم آف داراک) کو گرانے کے بعد یہودی مذہب اور عقیدے کے مطابق وہاں ٹیمپل کی تعمیر مقصد ہے اسرائیل کے اس مذموم منصوبے پر یہودی اور عیسائی متفق ہو گئے ہیں، قبل اس کے کہ یہ اسلام دشمن طاقتیں اپنے ناپاک منصوبے کو پوری طرح عملی جامہ پہنائیں، ان کے نشانے پر پاکستان اور افغانستان ہیں، مسجد اقصیٰ اور القدس کی پہاڑی کو گرائے جانے پر عالم اسلام میں اضطراب پھیلے گا اور ممکن ہے ان دو ممالک کی جانب سے شدید رد عمل ہو لہذا یہ ان ممالک کو پہلے ہی اپنے نشانے پر رکھے ہوئے ہیں، کیونکہ 1967ء کی عرب اسرائیل کی جنگ میں مسلم ممالک کو شکست دی تو پیرس میں اس کا جشن منایا گیا، اس موقع پر اسرائیل کے پہلے وزیراعظم داوید بن گوریون نے کہا تھا کہ'' ہمیں کسی عرب ممالک سے کوئی خطرہ نہیں، خطرہ ہے تو صرف پاکستان سے ہے، جب کہ پاکستان اس وقت ایٹمی قوت نہیں تھا، جب اسرائیلی وزیراعظم سے نیٹو کے بارے میں سوال کیا گیا کہ نیٹو کی تیاری کس لئے تو جواب دیا کہ'' اسلامک فنڈامینٹلز'' سے نمٹنے کے لئے۔

پروٹوکولز کے منصوبے کے تحت اسرائیل ساری دنیا پر حکومت کرنے کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے، جب کہ معاہدہ عمریہ سے واقف ہوتے ہوئے عیسائی یورپ اور امریکہ نے اسرائیل کو دفاع کے لئے ہر ممکن مدد فراہم کی اور اسے ایٹمی قوت بنا کر عربوں کے لئے ناقابل تسخیر بنا دیا، اسرائیل کی ایٹمی طاقت مسلمانوں کے خلاف ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کو اپنے زیر قبضہ لانے کے لئے ہے، لبنان میں اقوام متحدہ کی امن فوج پر متعدد حملوں کے بعد اقوام متحدہ کے اہلکار کا کہنا ہے کہ'' ایسا لگتا ہے، جیسے اسرائیل اقوام متحدہ کے ساتھ جنگ کرنے جا رہا ہے، مشرق وسطی میں اسرائیل کے خفیہ عزائم کو پس پشت ڈال کر یورپ اور امریکہ اپنی تباہی کو دعوت دے رہے ہیں، یہودی نازیوں، یورپ کے مظالم اور دنیا کے جن ممالک سے یہودیوں کو نکالا گیا تھا، ان کا بدلہ لینے کے لئے گریٹر اسرائیل کی تکمیل لازمی سمجھتا ہے لیکن امریکہ اور یورپ اسلام فوبیا کے حصار میں مقید ہے، 1897ء میں یہودیوں نے ایک نقشے کے تحت منصوبہ بندی مکمل کر رکھی ہے اس نقشے کے گرد ایک سانپ ہے، اور یہ نقشہ اب بھی اسرائیلی پارلیمنٹ میں آویزاں ہے، نقشے میں سانپ کی علامت ہر کسی کو ڈسنا ظاہر کرتی ہے، اور ایک دن یورپ اور امریکہ یہودیوں کے زہر سے بچ نہ پائے گا۔

ISSN # : 3080-9746

اختر شیرانی کا تعارف

تحقیق و ترتیب: علی حیدر شیخ

اے دل وہ عاشقی کے فسانے کدھر گئے
وہ عمر کیا ہوئی وہ زمانے کدھر گئے

کچھ ادیب و شاعر ایسے ہوتے ہیں جن کے لئے وقت اور زمانہ سازگار ہوتا ہے اور جو اپنے زمانہ میں اور اس کے بعد بھی وہ مرتبہ حاصل کر لیتے ہیں جس کے دراصل وہ حقدار نہیں ہوتے، دوسری طرف کچھ ایسے ادیب و شاعر ہوتے ہیں جو غلط وقت پر پیدا ہوتے ہیں غلط ڈھنگ سے جیتے ہیں اور غلط وقت پر مر جاتے ہیں اور ان کو وہ مرتبہ نہیں مل پاتا جس کے وہ حقدار ہوتے ہیں۔ اختر شیرانی اسی قبیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا پہلا قصور یہ تھا کہ ان کی نظموں میں سلمی، عذرا اور ریحانہ کے نام کثرت سے آتے ہیں اور ان کا دوسرا قصور یہ تھا کہ وہ ترقی پسند نہیں تھے جبکہ ان کے عہد میں، اور اس کے بعد بھی طویل عرصہ تک، تخلیق و تنقید پر ترقی پسندوں کی حکمرانی رہی۔ لہٰذا زمانہ نے بڑی فراخدلی کا ثبوت دیتے ہوئے ان کو شاعر رومان کی سند دے کر ان کا اعمال نامہ بند کر دیا۔ اختر شیرانی نے صرف 43 برس کی عمر پائی اور اس عمر میں انہوں نے نظم و نثر میں اتنا کچھ لکھا کہ بہت کم لوگ اپنی طویل عمر میں اتنا لکھ پاتے ہیں۔ اردو تنقید پر اختر شیرانی کا جو قرض ہے وہ اسے ابھی تک پوری طرح ادا نہیں کر پائی ہے۔

اختر شیرانی کا اصل نام داؤد خاں تھا۔ وہ 4 مئی 1905ء کو ہندوستان کی سابق ریاست ٹونک میں پیدا ہوئے۔ وہ جیّد عالم اور محقق حافظ محمود شیرانی کے اکلوتے بیٹے تھے۔ لہٰذا دینی تعلیم کے لئے لائق حفاظ اور اتالیق مقرر کئے گئے اور مروجہ تعلیم سے بہرہ ور کرنے کے لئے باپ نے خود استاد کی ذمہ داری نبھائی اور صابر علی شاکر کی خدمات بھی حاصل کیں۔ یہی نہیں بیٹے کی جسمانی نشونما کے لئے پہلوان عبدالقیوم خان کو ملازم رکھا۔ داؤد خاں نے کشتی اور پہلوانی کے ساتھ ساتھ لکڑی چلانے کا ہنر بھی سیکھا۔ حافظ محمود شیرانی بیٹے کو اپنی ہی طرح عالم، فاضل اور محقق بنانا چاہتے تھے۔ لیکن قدرت نے انہیں کسی دوسرے ہی کام کے لئے پیدا کیا تھا۔ مزاج لڑکپن سے ہی عاشقانہ تھا۔ انھوں نے کم عمری سے ہی شاعری شروع کر دی تھی اور چوری چھپے صابر علی شاکر سے مشورہ؟ سخن کرتے تھے۔ جس وقت اختر شیرانی کی عمر تقریباً 16 سال تھی نواب ٹونک کے خلاف اک شورش برپا ہوئی جس کے نتیجہ میں نواب نے بہت سے لوگوں کو ریاست بدر کیا ان ہی میں ناکردہ گناہ حافظ محمود شیرانی تھے۔ وہ مجبوراً لاہور چلے گئے جہاں اختر شیرانی نے تعلیم جاری رکھتے ہوئے اورینٹل کالج سے منشی فاضل اور ادیب فاضل کے امتحانات پاس کئے اور ساتھ ہی شاعری میں علامہ تاجور نجیب آبادی کی شاگردی اختیار کر لی۔ تعلیم سے فارغ ہو کر وہ صحافت کے چکر میں پڑ گئے اور یکے بعد دیگرے کئی رسالے نکالے۔ ملازمت انھوں نے کبھی نہیں کی۔ ان کی تمام شاہ خرچیاں باپ کے ذمہ تھیں۔ قیام لاہور کے ابتدائی زمانہ میں ہی اختر شیرانی پر عشق نے حملہ کیا۔ شاعری ہی کیا کم تھی وہ شراب بھی پینے لگے۔ ان خبروں سے حافظ محمود شیرانی کو شدید صدمہ پہنچا۔ انھوں نے ان کے اخراجات تو بند نہیں کئے لیکن حکم دیا کہ وہ کبھی ان کے سامنے نہ آئیں۔ 1946ء میں باپ کی موت کے بعد تمام ذمہ داریاں اختر کے سر پر آ گئیں جن کا انہیں کوئی تجربہ نہیں تھا۔ اب ان کی شراب نوشی حد درجہ بڑھ گئی۔ پھر 1947 میں تقسیم ملک نے ان کے لئے مزید پریشانیاں پیدا کر دیں۔ وہ لاہور اپنے دیرینہ اور مخلص دوست نیّر واسطی کے پاس چلے گئے۔ تب تک بلا نوشی نے ان کے جگر اور پھیپھڑوں کو تباہ کر دیا تھا۔ 9 ستمبر 1948ء کو ایسی حالت میں ان کی موت ہوئی کہ کوئی اپنا ان کے پاس نہیں تھا۔

اختر شیرانی کی ادبی خدمات کا محاکمہ کرتے وقت ان کے ادبی فلسفہ کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ اس کو ان کے ہی الفاظ میں سن لیجئے: "میں نے جب شعر کہنا شروع کیا تو شاعری کے افادی مقصد کا وہ تصور کہیں موجود نہ تھا جسے ترقی پسندی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس تصور نے کافی فروغ پا لیا، شاعر کا کام زندگی کے حسن کو دیکھنا اور دوسروں کو دکھانا ہے۔ زندگی کے ناسوروں کے علاج کی کوشش اس کا کام نہیں میرے نزدیک شاعر کے لئے اپنے آپ کو کسی سیاسی یا اقتصادی نظام سے وابستہ کرنا ضروری نہیں۔ شاعر کی قدریں سب سے الگ اور آزاد ہیں۔" نتیجہ یہ تھا کہ اختر نے سلمٰی کو زندگی کے حسن کا استعارہ بنا کر عشق کے گیت گائے۔ وہ سلمٰی جو اک جیتی جاگتی ہستی بھی تھی اور حسن کا استعارہ بھی۔ لیکن اختر شیرانی کو محض حسن (خواہ آپ اسے نسائی حسن تک محدود نہ رکھیں) اور عشق کا شاعر قرار دینا ان کے ساتھ ناانصافی ہے۔ حالانکہ یہ بھی سچ ہے کہ اختر نے اردو شاعری کو جس طرح عورت کے کردار سے متعارف کرایا، ان سے پہلے کسی نے نہیں کرایا تھا۔ ان کی محبوبہ اردو شاعری کے ستم پیشہ، خنجر بکف معشوق کے بجائے متانت، وقار، حسن اور سپردگی کا جیتا جاگتا مجسمہ ہے جو اردو شاعری میں عورت کے روایتی کردار سے یکسر مختلف ہے۔ بہرحال ان کی شخصیت کی کئی جہتیں تھیں۔ ان میں اک نمایاں پہلو ان کی حب الوطنی ہے۔ وہ ملک کو آزاد دیکھنا چاہتے تھے اور یہ آزادی ان کو بھیک میں درکار نہیں تھی۔

"عشق و آزادی بہار زیست کا سامان ہے
عشق میری جان آزادی مرا ایمان ہے"

اور

"عشق پر کر دوں فدا میں اپنی ساری زندگی
لیکن آزادی پہ میرا عشق بھی قربان ہے"

یا

"سر کٹا کر سروسامان وطن ہونا ہے
نوجوانو! ہمیں قربان وطن ہونا ہے"

ان کا پہلا مجموعہ کلام "پھولوں کے گیت" ادب اطفال میں اک سنگ میل ہے۔ دوسرے شاعروں نے بھی برائے نام بچوں کے لئے شاعری کی جو عموماً یا تو ترجمہ یا مشہور حکایات پر مبنی ہے۔ اک پورا مجموعہ جو بڑی حد تک طبع زاد ہے، اختر کا بڑا کارنامہ ہے۔ دوسرے مجموعہ کلام "نغمۂ حرم" میں بھی عورتوں اور بچوں کے لئے نظمیں ہیں۔ اختر شیرانی نے ہیئت میں بھی قابل قدر تجربے کئے۔ انھوں نے پنجابی سے ماہیا، ہندی سے گیت اور انگریزی سے سانیٹ کو اپنی شاعری میں کثرت سے برتا۔ اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اردو میں باقاعدہ سانیٹ نگاری کی ابتدا اختر شیرانی نے کی۔ نثر میں بھی اختر شیرانی کے کارنامے کم نہیں۔ انھوں نے کئی رسالے جاری کئے۔ 1925 میں جب اختر شیرانی کی عمر صرف 20 برس تھی، انھوں نے لاہور ہائی کورٹ کے مولوی غلام رسول کے رسالہ کی ادارت سنبھالی۔ علامہ تاجور نجیب آبادی کے کہنے پر پنڈت رتن ناتھ سرشار کے فسانۂ آزاد کی تلخیص اور تسہیل بچوں کے لیے کی۔ اسی طرح ڈاکٹر عبدالحق کے کہنے پر سدید الدین محمد عوفی کی جوامع الحکایات ولوامع الروایات کو بڑی محنت اور تحقیقی لگن کے ساتھ اردو کا جامہ پہنایا۔ انھوں نے ترکی کے مشہور ڈرامہ نگار سامی بے کے ڈرامہ "کاوے" کو ضحاک کے نام سے اردو جامہ پہنایا۔ انھوں نے دھڑکتے دل کے نام سے افسانوں کا اک مجموعہ شائع کیا جس میں 12 افسانے دوسری زبانوں کے افسانوں کا ترجمہ اور باقی طبع زاد ہیں۔ اختر اور سلمٰی کے خطوط، جس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، خوبصورت نثر کا لاجواب نمونہ ہیں۔ "آئینہ خانے میں" ان کے پانچ افسانوں کا مجموعہ ہے جو مبینہ طور پر ایک ہی رات میں لکھے گئے تھے۔ یہ افسانے فلمی اداکاراؤں کی آپ بیتی کی شکل میں ہیں جن میں عورت کے استحصال کی سرگزشت ہے۔ اختر شیرانی بہت سے اخبارات و رسائل کے لئے ابن بطوطہ ایں جہانی، بالم، راجکماری بکاولی، زبور ضحاک، عکاس، لارڈ بائرن آف راجستھان، مسعود خسرو شیرانی، ملا فرقان وغیرہ فرضی ناموں سے کالم لکھتے تھے۔ بحیثیت نثر نگار ان کے مقام و مرتبہ کا تعین ابھی تک غفلت کا شکار ہے۔ اختر شیرانی کو عظیم شاعر یا ادیب کہنا مبالغہ ہوگا لیکن اس میں ذرا بھی شک کی گنجائش نہیں کہ اردو ادب کی مختصر سے مختصر تاریخ بھی ان کے ذکر کے بغیر ادھوری رہے گی۔

ISSN # : 3080-9746

شوگر کے مریض کیا کھائیں اور کیا نہ کھائیں؟

قرآن وسنت اور میڈیکل سائنس کے مطابق سب کچھ کھائیں مگر کیسے؟

جانیے اس تحریر میں تفصیل کے ساتھ

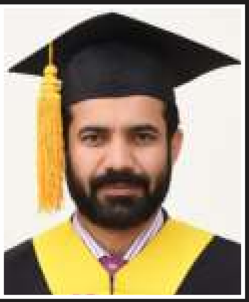

تحریر: ڈاکٹر حافظ رحمت اللہ خان

دُنیا بھر میں شوگر کے مریضوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی ہے اور ساتھ ساتھ شوگر سے پیدا ہونے والی پیچیدگیاں بھی بڑھ رہی ہیں یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ شوگر صرف دوائیوں سے ٹھیک نہیں ہوتا بلکہ اس کو کنٹرول کرنے کے لیے باقاعدگی کے ساتھ ورزش اور غذا میں پرہیز انتہائی ضروری ہے۔

صحت مند طرز زندگی کے ساتھ صحت مند غذا کھانے اور ڈاکٹر صاحبان کی ہدایات پر عمل کرنے سے شوگر پر نہ صرف کنٹرول کیا جا سکتا ہے بلکہ اس سے پیدا ہونے والی خطرناک پیچیدگیوں سے بھی آسانی کے ساتھ بچا جا سکتا ہے۔ سائنسی لحاظ سے تو ہم خوراک کو کاربوہائیڈریٹس، پروٹین، چکنائی، منرلز اور وٹامنز میں تقسیم کرتے ہیں لیکن شوگر کے مریضوں کی سمجھنے کے لیے ہماری خوراک کو پھلوں، سبزیوں، دالوں، گوشت اور بیکری کے ائٹمز میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

سب سے پہلی انتہائی اہم بات تو یہ ہے کہ ہم سب بشمول شوگر کے مریض قران وسنت پر عمل کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی دی ہوئی حلال رزق میں سے تمام چیزیں کھا سکتے ہیں بشرطیکہ ہم درمیانہ راستہ اختیار کریں اور اسراف نہ کریں۔

پہلا سوال کہ شوگر کے مریض کون سے پھل کھا سکتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہیکہ ویسے تو شوگر کے مریضوں کو بہت زیادہ پل کھانے سے احتیاط کرنا چاہیے کیونکہ زیادہ تر پھل میٹھے ہوتے ہیں لیکن چونکہ پھلوں کے اندر بھی الحمدللہ، اللہ پاک کی نعمتیں وٹامنز منرلز اور فائبرز کی صورت میں شامل ہوتی ہیں لہذا مناسب مقدار میں پھل کھا سکتے ہیں۔ جو پھل نسبتاً شوگر کی مقدار کو خون میں کم بڑھاتے ہیں ان میں سے پانچ پھل قابل ذکر ہیں یعنی سیب، امرود، اڑو، پپیتا اور سٹرابری وغیرہ۔ دوسرے پھل جو کہ خون میں شوگر کی مقدار کو بہت زیادہ بڑھاتے ہیں وہ نہیں کھانے چاہیے مثال کے طور پر انگور، کیلے، ام، خربوز، تربوز اور کھجوریں وغیرہ۔

اگلا سوال یہ ہے کہ شوگر کے مریض کون سی سبزیاں کھائیں اس سلسلے میں جواب یہ ہے کہ تقریباً پانچ سبزیاں جو شوگر کو کافی حد تک بڑھاتی ہیں ان سے پرہیز کریں باقی سب سبزیاں مناسب مقدار میں کھا سکتے ہیں وہ پانچ سبزیاں جن سے پرہیز کرنا چاہیے وہ آلو، مٹر، گاجر، چقندر اور شکرقندی ہے۔

شوگر کے مریض کون سا گوشت کھائیں؟

اس بارے میں وضاحت یہ ہے کہ بہتر ہے کہ مچھلی اور دیسی مرغی کا گوشت کھائیں کبھی کبھی بکرے اور دنبے کا گوشت بھی کھائیں جبکہ بڑا

گوشت اور برائلر مرغی کے گوشت سے پرہیز کریں۔ دالیں یعنی مونگ، مسور، چنے، لوبیا اور چاول وغیرہ اس سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ چاول خون میں شوگر کی مقدار کو کافی زیادہ بڑھاتے ہیں لہذا ہفتے میں ایک مرتبہ ایک پلیٹ چاول سے زیادہ نہ کھائیں اور باقی ساری دالیں، چنے اور لوبیا مناسب مقدار میں ضرورت کے مطابق کھا سکتے ہیں۔

خوراک کی آخری قسم بیکری کے ائٹمز کی ہے جس میں کیک، رسک، کیک رسک، ڈبل روٹی، پیسٹریاں اور سافٹ ڈرنکس شامل ہیں یہ وہ خوراک ہے جو شوگر کو کافی حد تک بڑھاتے ہیں اور شوگر کے مریضوں کے لیے انتہائی نقصان دہ ہیں لہذا ان سے مکمل طور پر پرہیز کریں۔

شوگر کے مریضوں کے لیے ضروری ہے کہ ہفتے میں پانچ دن کم از کم 30 منٹ تک باقاعدگی کے ساتھ ورزش کریں۔

سگریٹ نوشی سے پرہیز کریں۔ ذہنی تناؤ سے بچنے کی کوشش کریں۔

صحت مند طرز زندگی گزاریں اور ڈاکٹر صاحبان کی ہدایات کے مطابق ادویات کھائیں اس طرح انشاءاللہ، اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل و کرم سے نہ صرف اپ کا شوگر کنٹرول میں رہے گا بلکہ زیادہ شوگر سے پیدا ہونے والی پیچیدگیوں سے بھی اپ محفوظ رہیں گے اللہ پاک ہم سب کو ایمان کی سلامتی کے ساتھ صحت اور تندرستی نصیب فرمائے۔

آمین ثم آمین یارب العالمین

ISSN # : 3080-9746

زکوٰۃ: اسلامی معیشت کا سنہری اصول

ڈاکٹر مفتی احمد رضا

تعارف

اسلام ایک ایسا کامل دین ہے جو انسانی زندگی کے ہر پہلو کی راہنمائی کرتا ہے اور ایک متوازن اور منصفانہ معاشرہ تشکیل دینے پر زور دیتا ہے۔ اس مقصد کے لیے اسلام نے معاشی عدل و انصاف کے کئی اصول متعین کیے ہیں، جن میں زکوٰۃ بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ زکوٰۃ صرف ایک مالی عبادت نہیں بلکہ ایک سماجی و اقتصادی فریضہ بھی ہے جو دولت کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بناتا ہے اور ضرورت مندوں کی کفالت کرتا ہے۔ اس کے ذریعے نہ صرف غربت اور معاشی ناہمواری کا خاتمہ ممکن ہوتا ہے بلکہ یہ افراد کے دلوں میں ایثار، ہمدردی اور سماجی فلاح کا جذبہ بھی پیدا کرتی ہے۔

زکوٰۃ کی شرعی حیثیت

اسلام میں زکوٰۃ ایک فرض عبادت اور مالی فریضہ ہے جو ہر صاحبِ نصاب مسلمان پر واجب ہے۔ یہ اسلام کے بنیادی پانچ ارکان میں شامل ہے اور اس کی فرضیت کا ذکر قرآن و حدیث میں بار بار کیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں زکوٰۃ کی فرضیت

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر زکوٰۃ کی فرضیت اور اس کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے، مثلاً:

"اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔"

یہ آیات واضح کرتی ہے کہ زکوٰۃ کسی بھی مسلمان کے مال کا وہ حصہ ہے جو غریبوں، مساکین اور دیگر مستحقین کا حق ہے، اور اسے ادا کرنا فرض ہے۔

حدیثِ مبارکہ میں زکوٰۃ کی اہمیت

نبی کریم ﷺ نے بھی زکوٰۃ کی فرضیت اور اس کی اہمیت کو نہایت تاکید کے ساتھ بیان فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا اور حج ادا کرنا (اگر استطاعت ہو)۔"

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا، قیامت کے دن اس کا مال زہریلے سانپ کی شکل اختیار کر لے گا، جو اس کی گردن میں لپٹے گا اور کہے گا: میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔"

زکوٰۃ کے انکار کا حکم

اسلامی فقہ میں زکوٰۃ کے انکار کو سنگین جرم قرار دیا گیا ہے۔ اگر کوئی زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کرے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو سکتا ہے، اور اگر کوئی زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کرے تو اسلامی حکومت اسے سخت سزا دے سکتی ہے، جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کے خلاف جہاد کیا۔

زکوٰۃ کے مستحقین

قرآن مجید میں سورۃ التوبہ کی آیت 60 میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان کیے گئے ہیں:

1. فقیر (جو انتہائی محتاج ہو)
2. مسکین (جو بنیادی ضروریات سے محروم ہو)
3. عاملین زکوٰۃ (وہ افراد جو زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم پر مامور ہوں)
4. مؤلفۃ القلوب (نومسلم یا وہ افراد جن کی دلجوئی مقصود ہو)
5. غلاموں کی آزادی کے لیے
6. قرض دار جو قرض ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو
7. اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے
8. مسافروں کے لیے جو مالی مشکلات میں گھرے ہوں

زکوٰۃ کی فرضیت کا مقصد

ISSN # : 3080-9746

زکوۃ کی فرضیت کا بنیادی مقصد دولت کی منصفانہ تقسیم، سماجی انصاف اور اسلامی معیشت کو مضبوط بنانا ہے۔ یہ نظام دولت کو چند ہاتھوں میں سمٹنے سے روکتا ہے اور معاشرے میں مساوات پیدا کرتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ زکوۃ اسلام کا ایک لازمی فریضہ ہے جس کی ادائیگی ایمان کی تکمیل کا حصہ ہے۔ اس کی ادائیگی فرد اور معاشرے دونوں کے لیے برکت اور رحمت کا باعث بنتی ہے، جبکہ اس سے انکار دنیا و آخرت میں نقصان کا سبب بنتا ہے۔

زکوۃ کے بنیادی مقاصد

زکوۃ محض ایک مالی عبادت نہیں بلکہ اسلامی معیشت اور سماج کی اصلاح و فلاح کا ایک مضبوط نظام ہے۔ اس کے مقاصد محض محتاجوں کی مدد تک محدود نہیں بلکہ یہ ایک متوازن اور عادلانہ معاشرتی نظام کے قیام میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔

ذیل میں زکوۃ کے بنیادی مقاصد کو جامع انداز میں بیان کیا جا رہا ہے:

روحانی اور اخلاقی تطہیر

زکوۃ کی ادائیگی سے فرد کے دل میں ایثار، سخاوت اور اللہ کی رضا کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ مال و دولت کی محبت کو کم کرتی ہے اور فرد کو بخل و حرص سے پاک کرتی ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا:

"ان کے مالوں سے زکوۃ لو تا کہ تم انہیں پاک کرو اور ان کا تزکیہ کرو"

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ زکوۃ محض مالی لین دین نہیں بلکہ اخلاقی و روحانی بالیدگی کا ذریعہ بھی ہے۔

دولت کی منصفانہ تقسیم

زکوۃ اسلامی معاشی نظام میں دولت کو چند مخصوص افراد کے پاس جمع ہونے سے روکتی ہے اور اسے سماج کے ضرورت مند طبقے تک پہنچاتی ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

"یہ دولت صرف دولت مندوں کے درمیان گردش نہ کرتی رہے"

یہ آیت زکوۃ کے اس مقصد کو واضح کرتی ہے کہ دولت کی تقسیم میں توازن پیدا کیا جائے تا کہ معاشرتی ناہمواری ختم ہو۔

غربت کا خاتمہ اور فلاحی ریاست کا قیام

زکوۃ کا بنیادی مقصد معاشرے سے غربت اور فقر کا خاتمہ ہے۔ اس سے غریبوں کو ان کی بنیادی ضروریات مہیا ہوتی ہیں اور وہ عزت دار زندگی گزارنے کے قابل ہوتے ہیں۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

"اللہ تعالیٰ نے زکوۃ کو تمہارے اموال کا پاک کرنے والا ذریعہ بنایا ہے اور اسے تمہارے محتاجوں کے لیے مقرر کیا ہے۔

معاشرتی ہمدردی اور یکجہتی

زکوۃ ایک ایسا مالی نظام ہے جو سماج میں بھائی چارے اور ہمدردی کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ جب امیر طبقہ اپنی دولت کا کچھ حصہ غرباء کو دیتا ہے تو اس سے معاشرے میں محبت، اخوت اور خیر سگالی کے جذبات فروغ پاتے ہیں۔

معیشت کی بہتری اور دولت کی گردش

زکوۃ کے ذریعے دولت کی گردش تیز ہوتی ہے، کیونکہ جب ضرورت مندوں کو مالی مدد ملتی ہے تو وہ اس رقم کو خرچ کرتے ہیں، جس سے معیشت میں استحکام آتا ہے اور کاروبار فروغ پاتا ہے۔ یہ اقتصادی پہلو اسلامی نظامِ زکوۃ کو جدید مالیاتی نظام سے ممتاز بناتا ہے۔

ریاستی سطح پر فلاحی نظام کا قیام

اگر اسلامی حکومت زکوۃ کے نظام کو مؤثر انداز میں نافذ کرے تو یہ ایک مکمل فلاحی ریاست کے قیام کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ خلافتِ راشدہ کے دور میں زکوۃ کے بہترین نظم کی بدولت ایسا وقت آیا جب کوئی زکوۃ کا مستحق نہ رہا۔

محتاجوں کو خود کفیل بنانا

زکوۃ صرف وقتی امداد نہیں بلکہ ایک ایسا معاشی نظام ہے جو مستحق افراد کو خود کفالت کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔ مستحقین زکوۃ جب اپنے قدموں پر کھڑے ہو جاتے ہیں تو وہ بھی آگے چل کر زکوۃ دینے والوں میں شامل ہو سکتے ہیں۔

اسلامی اخوت اور سماجی انصاف کا فروغ

زکوۃ سے ایک ایسا ماحول پیدا ہوتا ہے جہاں سب کو برابر کے مواقع میسر آتے ہیں۔ یہ ظلم، استحصال اور محرومی کے احساسات کو کم کرتی ہے اور ایک عادلانہ اور خوشحال معاشرے کی بنیاد رکھتی ہے۔

زکوۃ اسلام کا ایسا مالیاتی اور سماجی نظام ہے جو فرد، معاشرہ اور معیشت تینوں کے لیے خیر و برکت کا ذریعہ ہے۔ یہ فلاحی ریاست کے قیام، غربت کے خاتمے اور دولت کی منصفانہ تقسیم میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ اگر اس نظام کو حقیقی روح کے ساتھ نافذ کیا جائے تو اسلامی معاشرے میں کوئی بھی فرد محرومی کا شکار نہیں رہے گا۔

معاشرتی اثرات

غربت و افلاس کا خاتمہ

زکوۃ کے ذریعے غریبوں اور محتاجوں کی مدد کی جاتی ہے، جس سے انہیں بنیادی ضروریاتِ زندگی مہیا ہوتی ہیں۔ اگر اسلامی ریاست میں زکوۃ کا نظام صحیح طور پر نافذ ہو، تو معاشرے میں کوئی فرد بھوکا نہیں رہے گا۔

معاشرتی مساوات اور عدل و انصاف

زکوۃ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کو روکنے میں مدد دیتی ہے اور معاشرے میں عدل و انصاف کو فروغ دیتی ہے۔ اس سے غریب اور امیر کے درمیان فرق کم ہوتا ہے اور سماجی توازن قائم رہتا ہے۔

بھائی چارہ اور ہمدردی کا فروغ

زکوۃ کی ادائیگی سے معاشرے میں ہمدردی، ایثار اور بھائی چارے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ امیر طبقہ غریبوں کی مدد کر کے دلی سکون حاصل کرتا ہے جبکہ غریب افراد احساسِ محرومی سے بچ جاتے ہیں۔

جرائم کی روک تھام

معاشی ناہمواری اور غربت جرائم کے بنیادی اسباب میں شامل ہیں۔ جب زکوۃ کے ذریعے معاشرے کے کمزور طبقات کی مدد کی جاتی ہے، تو ان میں چوری، ڈاکہ، بھیک مانگنے اور دیگر غیر قانونی ذرائع سے روزی کمانے کا رجحان کم ہو جاتا ہے، اور ایک پرامن معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔

اسلامی اخوت اور سماجی استحکام

زکوۃ سے ایک ایسا نظام بنتا ہے جس میں افراد ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، جس سے اسلامی معاشرے میں بھائی چارہ اور استحکام پیدا ہوتا ہے۔

اقتصادی اثرات دولت کی منصفانہ تقسیم

زکوۃ دولت کو صرف چند ہاتھوں میں جمع ہونے سے روکتی ہے

ISSN # : 3080-9746

لومڑی اور چیل کی دوستی

کسی کے ساتھ بُرا کرنے سے پہلے سوچ لیں کہ کہیں بعد میں خود کو پچھتانا نہ پڑے

محمد ذوالقرنین حیدر

عزیز دوستو! بہت پہلے کی بات ہے ایک لومڑی ایک چیل کی سہیلی بن گئی۔ دونوں میں دوستی ہو گئی اور وہ روزانہ ملنے لگے۔ ایک دن لومڑی نے چیل سے کہا: ”کیوں نہ ہم پاس رہیں، پیٹ کی فکر میں اکثر مجھے گھر سے دُور رہنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے میرے بچے گھر میں اکیلے رہ جاتے ہیں جبکہ میرا پورا دھیان بچوں میں لگا رہتا ہے کیوں نہ تم یہیں کہیں پاس ہی رہو۔ کم از کم میرے بچوں کا تو خیال رکھو گی۔“ چیل نے لومڑی کی بات مان لی اور آخرکار کوشش کر کے رہنے کیلئے ایک پرانا پیڑ تلاش کر لیا جس کا تنا اندر سے کھوکھلا تھا۔ اس میں سوراخ تھا۔ دونوں کو یہ جگہ پسند آئی۔ لومڑی اپنے بچوں کے ساتھ سوراخ میں رہنے لگی اور چیل نے پیڑ پر اپنا بسیرا کیا۔ کچھ عرصہ بعد لومڑی کی غیر موجودگی میں چیل جب اپنے گھونسلے میں بچوں کے ساتھ بھوکی بیٹھی تھی، اس نے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کیلئے لومڑی کا ایک بچہ اُٹھایا اور گھونسلے میں جا کر خود بھی کھانے لگی اور بچوں کو بھی کھلایا۔

جب لومڑی واپس آئی تو ایک بچہ غائب پایا۔ اس نے بچے کو اِدھر اُدھر بہت تلاش کیا مگر وہ نہ ملا۔ آنکھوں سے آنسو بہانے لگی۔ چیل بھی دکھاوے کا افسوس کرتی رہی۔ دوسرے دن لومڑی جب جنگل میں پھر شکار کرنے گئی اور واپس آئی تو ایک اور بچہ غائب ہو گیا۔ تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا۔ اس کا ایک اور بچہ غائب ہو گیا۔ چیل، لومڑی کے سارے بچے کھا گئی۔ لومڑی کا چیل پر شک یقین میں بدل گیا کہ اس کے تمام بچے چیل ہی نے کھائے ہیں مگر وہ چپ رہی۔ کوئی گلہ شکوہ نہیں کیا۔ ہر وقت روتی رہتی اور اللہ سے فریاد کرتی رہتی: ”اے اللہ! مجھے اُڑنے کی طاقت عطا فرما تاکہ میں اپنی دوست نما دشمن (چیل) سے اپنا بدلہ لے سکوں!“

اللہ نے لومڑی کی التجا سن لی اور چیل پر اپنا قہر نازل کیا۔ ایک روز بھوک کے ہاتھوں تنگ آ کر چیل غذا کی تلاش میں جنگل میں اُڑ رہی تھی کہ ایک جگہ دھواں اُٹھتا دیکھ کر جلدی سے اس کی طرف لپکی۔ دیکھا کچھ شکاری آگ جلا کر اپنا شکار بھوننے میں مصروف ہیں۔

چیل کا بھوک سے برا حال ہو رہا تھا۔ بچے بھی بہت بھوکے تھے، وہ صبر نہ کر سکی، ایک جھپٹا مارا اور کچھ گوشت اپنے پنجوں میں اُچک کر گھونسلے میں لے گئی۔ اُدھر بھنے ہوئے گوشت کے ساتھ کچھ چنگاریاں بھی چپکی ہوئی تھیں۔ گھونسلے میں بچے ہوئے گھاس پھوس کے تنکوں کو آگ لگ گئی۔ گھونسلہ بھی جلنے لگا۔

اُدھر تیز تیز ہوا چلنے لگی۔ گھونسلے کی آگ نے اتنا موقع ہی نہ دیا کہ چیل خود کو اور اپنے بچوں کو بچا سکے۔ وہ تڑپ تڑپ کر وہاں سے نیچے گرنے لگے۔ لومڑی نے چیل کے نیچے گرتے ہی جھٹ سے اُسے اپنے منہ میں جکڑ لیا اور خوب چبا چبا کر اُسے کھا لیا۔ اس طرح لومڑی نے اپنے بچوں کا بدلہ چیل سے لے لیا۔

حاصل کلام: ”جو دوسروں کیلئے گڑھا کھودتا ہے، خود بھی اُسی میں جا گرتا ہے۔ مطلب دوسروں کو اگر کوئی نقصان پہنچائے یا مار دے تو ایک دن ایسا ضرور آئے گا کہ اُسے بھی کوئی نقصان پہنچائے گا یا مار دے گا۔ اسی لئے عقلمندوں نے کہا ہے کہ کسی کے ساتھ برا کرنے سے پہلے سوچ لیں کہ کہیں بعد میں خود کو پچھتانا نہ پڑے۔“

ISSN # : 3080-9746

شاہد آفریدی اور شاہین آفریدی۔۔۔ایک ہیرو ایک۔۔۔

4، مارچ 2014، آفریدی نے بنگالیوں کو رُلا دیا، 15 مارچ 2026، آفریدی نے پاکستانیوں کو۔۔۔

رپورٹ: محمد عمر

وقت بڑی تیزی سے گذر جاتا ہے، 4 مارچ 2014، ایشیا کپ کا ایک اہم میچ پاکستان اور بنگلہ دیش کی کرکٹ ٹیموں کے درمیان ڈھاکہ میں کھیلا گیا، بنگلہ دیشی ٹیم نے پہلے بیٹنگ کرتے ہوئے صرف 3 وکٹ پر 326 رنز بنا دیئے، پاکستانی افتتاحی بلے باز احمد شہزاد نے سنچری اور محمد حفیظ نے نصف سنچری اسکور کی، ان دونوں کے آوٹ ہونے کے بعد پاکستانی بیٹنگ حسب سابق لڑکھڑاتی نظر آئی، رنز کی اوسط بڑھ کر 10 تک پہنچ گئی، کپتان مصباح الحق اور ٹیم کے چہرے لٹک گئے تھے، میدان میں موجود بنگالیوں کا جوش دوبالا ہو چکا تھا، وہ اپنی سرزمین پر پاکستانی ٹیم کو پہلی مرتبہ ہارتے ہوئے دیکھ رہے تھے، جب شاہد آفریدی میدان میں داخل ہوئے،

یہ کیا ہو گیا؟

چھکا پھر چھکا، پھر چھکا

دیشی آل راؤنڈر شکیب الحسن، وزیراعظم حسینہ واجد کا لاڈلا، جس کو بعد میں اہم این اے بھی بنایا گیا، چھکوں پہ چھکے کھا رہا ہے،

وہ تماشائی، جن میں زیادہ تعداد صنف نازک کی تھی جو جھوم رہے تھے، اب باقاعدہ روتے نظر آئے، شاہد آفریدی نے صرف 18 گیندوں پر نصف سنچری بنا ڈالی، وہ 25 گیندوں پر 7 چھکوں کی مدد سے 59 رنز بنا کر رن آوٹ ہوئے تو میچ پاکستان کے ہاتھ میں تھا اور پاکستان نے 3 وکٹ سے کامیابی حاصل کر کے پاکستان سے نفرت کرنے والوں کو دھول چٹادی۔

وقت گزرتا گیا

15 مارچ 2026، وہی ڈھاکہ گراونڈ، پاکستانی ٹیم کو جیتنے کیلئے 7 گیندوں پر 14 رنز درکار بلا تھامے، آج بھی آفریدی کھڑا ہے، وہ کوئی غیر نہیں اسی شاھد آفریدی کا داماد، جو اتفاق سے ٹیم کا کپتان بھی ہے۔

افسوس

جونئر آفریدی، سینئر آفریدی کی تاریخ نہ دھرا سکا، 6 گیندوں پر صرف 2 رنز اور ساتویں پر آوٹ

بنگالی تماشائیوں نے جو جشن 4 مارچ 2014 کو منانا تھا وہ 15 مارچ 2026 کو منالیا۔

بھلے سے بنگلہ دیش میں حسینہ واجد کی حکومت نہیں، وہ اس فتح کو 1971 سے جوڑ دیتی اور ملک بھر میں جشن کا اعلان کر دیتی۔

پاکستانی کرکٹ پر چھائے سیاہ بادل چھٹنے کا نام نہیں لے رہے، پاکستانی ٹیم بنگلہ دیش میں کھیلے گئے آخری 6 میں سے 5 میچ ہار چکی ہے، چیئرمین کرکٹ بورڈ محسن نقوی چیف سلیکٹر عاقب جاوید اور کوچ مائیک ہیسن میں سے کسی نے شرمندہ ہونے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی،

ایک وہ بھی کوچ تھا

19 سال پہلے عالمی کپ کے ایک اہم میچ میں پاکستانی ٹیم آئرلینڈ کی ٹیم سے، جو پہلی مرتبہ ورلڈ کپ کھیل رہی تھی سے ہار گئی، تو کوچ باب وولمر صدمہ برداشت نہ کر سکے، ان کو دل کا دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا، کپتان انضمام الحق نے نہ صرف کپتانی چھوڑی بلکہ ون ڈے کرکٹ سے بھی ریٹائرمنٹ کا اعلان کر دیا۔

ایک یہ عالم ہے

محسن نقوی، عاقب جاوید اور مائیک ہیسن کی ٹرائیکا کے دور میں پاکستانی ٹیم دو مرتبہ ٹی ٹوئنٹی ورلڈ کپ ہار گئی، عالمی کپ 50 / 50 بھی ہار گئی، ایشیا کپ بھی ہار گئی، نیوزی لینڈ سے ون ڈے سیریز میں وائٹ واش ہوئی، ویسٹ انڈیز سے ون ڈے سیریز ہاری، نیوزی لینڈ سے ٹی ٹونٹی سیریز ایک کے مقابلہ میں 4 میچوں سے ہاری، اب بنگلہ دیش سے ون ڈے سیریز 1_2 سے ہاری۔۔۔

کسی کو خوف نہیں کہ ان کو ہٹا دیا جائے گا اور نہ ہی کسی کے استعفےٰ کا امکان ہے۔

ایک شخص جس کے حالات بہت خراب تھے، ایک دست شناس کے پاس گیا، جس نے فیس وصول کرنے کے بعد بتایا کہ بیٹا تمہارے 2 سال خراب ہونگے، وہ آدمی تھوڑا خوش ہوا اور پوچھا اس کے بعد کیا ہوگا؟

اس کے بعد تم ان مشکل حالات کے عادی ہو جاو گے،

دست شناس نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

آپ میری بات سمجھ گئے ہونگے۔

دو سال سے زائد عرصہ گذر چکا ہے ہارتے ہارتے، اب تو پاکستانیوں کو عادی ہو جانا چاہیے۔

www.barjastatv.com
ISSN # : 3080-9746

”سیاست“ پاکستان کی پہلی آرٹ فلم

اداکار سید کمال نے قوم کو سچ دکھانے کی کوشش کی مگر۔۔۔

تحریر: محمد عمر، کویت

پاکستانی فلمی تاریخ جب بھی تحریر کی جائے گی اس میں ایک پرکشش ہیرو کمال کا ذکر بھی آئے گا، وہ 1937 میں غیر منقسم انڈیا میں پیدا ہوئے، قیام پاکستان کے بعد بھی کافی عرصہ انڈیا میں رہے، 60 کی دہائی میں بمبئی سے ہی فلمی کیرئیر شروع کیا مگر کامیاب نہ ہوسکے۔ پاکستان آ گئے، قسمت مہربان رہی اور ان کا شمار پاکستان کے صف اول کے ہیروز میں ہوتا تھا، اس دور میں انڈین فلموں کی پاکستان میں بھی نمائش ہوتی تھی، دلیپ کمار اور راج کپور برصغیر کے صف اول کے ہیروز تھے، اتفاق سے سید کمال کی شکل خطرناک حد تک راجکپور سے ملتی تھی، اس مشابہت کا فائدہ اٹھانے کیلئے کمال راجکپور کی نقل کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے تھے، راجکپور نے زندگی بھر کی کمائی خرچ کر کے فلم میرا نام جوکر بنائی تو کمال نے جوکر کے نام سے فلم بنا ڈالی، نقل کبھی اصل کا مقابلہ نہیں کرسکتی اس لئے جوکر کوئی بڑی کامیابی حاصل نہ کرسکی۔ کمال کو یہ غلط فہمی بھی رہی کہ انڈیا میں لوگ انہیں راجکپور تصور کرلیں گے، وہ راجکپور بن کر انڈین ہیروئین نرگس کے پاس چلے گئے، نرگس اور راجکپور کا ان دنوں زبردست رومانس چل رہا تھا، نرگس نے دیکھتے ہی کہا، کمال صاحب میں آپ کو جانتی ہوں، آپ پاکستانی اداکار ہیں، اس طرح کی غلط فہمی ایک پاکستانی اداکار اظہار قاضی کو بھی رہی، وہ خود کو امیتابھ بچن سمجھتے تھے، بیرون ملک شوٹنگز کے دوران کوشش کرتے تھے کہ لوگ انہیں امیتابھ سمجھ لیں، سید کمال نے پاکستانی فلمی صنعت میں دو

کامیاب اننگز کھیلیں 60 کی دہائی میں جب رومانوی فلموں کا دور تھا انہوں نے کئی سپرہٹ فلموں میں مرکزی کردار ادا کئے جن میں ٹھنڈی سڑک، روڈ ٹو سوات، توبہ جیسی بڑی فلمیں شامل تھیں، وہ زیبا، رانی، دیبا، شمیم آرا کے ہیرو کے کردار کرتے تھے، ایک فلم میں وہ شبنم کے بھی ہیرو تھے۔

وہ رومانوی فلموں کا دور تھا اور 4 رومانوی ہیروز محمد علی، ندیم، وحید مراد اور شاہد اسکرین پر چھا گئے، ان چاروں نے بڑی بڑی فلمیں دیں اور کمال غائب ہو گئے۔ 1976 میں وہ ایک نئے روپ میں سامنے آئے، انہوں نے ذاتی پروڈکشن میں جٹ کڑیاں تو ڈردا کے نام سے ایک پنجابی فلم بنائی جو بہت بڑی ہٹ ثابت ہوئی، وہ۔ ہلکی۔ پھلکی کامیڈی فلم تھی جس میں کوئی ظالم جاگیردار نہیں تھا، کمال کے مقابل 3 ہیروئنز نیلو، نشو اور نجمہ تھیں، اس کے بعد انہوں نے اسی فلم کا تسلسل آج دیاں کڑیاں بنائی، وہ اس سے بڑی ہٹ رہی، جس میں انہوں 6 ہیروئینز اور 6 ہیروز کو پیش کیا، کمال کو یکے بعد دیگرے دو بڑی سپرہٹ فلمیں مل گئیں، تو انہوں نے اس فلم کا تسلسل کل دے منڈے بھی بنا دی، یہاں سے ان کی ناکامیوں کا دور شروع ہوا، انہوں نے جٹ کمالا سیریز کی کچھ اور کامیڈیز بنائیں، جو بہت بڑی طرح ناکام۔ رہیں، کمال نے دو فلموں کی کامیابی سے جو پیسہ کمایا تھا سارا ڈوب گیا اور وہ بیرون ملک چلے گئے۔ 1985 میں جنرل ضیاء نے غیر جماعتی الیکشنز کرائے تو سید کمال نے بھی قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا، الیکشن کی چالوں سے واقف نہ تھے، شکست یقینی تھی، انتخابات کی بے ضابطگیوں اور دھاندلیوں کو منظر عام پر لانے کیلئے انہوں نے، سیاست، کے نام سے فلم بنائی، یہ پاکستان کی پہلی آرٹ فلم تھی جو 1985 کے انتخابات کے بعد ریلیز گئی۔ سید کمال اس فلم کے مصنف فلمساز ہدایت کار تھے، مرکزی کردار بھی انہوں نے ہی ادا کیا، کمال کو علم تھا کہ ایسی فلموں کا باکس آفس پر کیا حشر ہوتا ہے اس لئے انہوں نے ٹی وی کے اداکاروں کو کاسٹ کیا جن میں سکینہ سموں، ماجد جہانگیر، اسماعیل تارا قابل ذکر تھے۔ اس فلم میں دکھایا گیا کہ سرمایہ کے زور پر کیسے مخالف امیدواروں کے ووٹ اور حامی خرید لئے جاتے ہیں یہ دکھایا گیا کہ۔ کیسے میر۔ جعفر اور میر صادق جیسے غدار اپنیبی امیدواروں کو ناکام بنانے کیلئے مخالف۔ امیدواروں کے ہاتھوں بک جاتے ہیں، اسماعیل تارا اور ماجد جہانگیر کے فلمی نام جعفر اور صادق رکھے۔ گئے تھے۔، یہ ایک اصلاحی فلم اور اچھی کاوش تھی جس پر حکومت نے تفریحی ٹیکس معاف کردیا تھا، 10 روپے کی ٹکٹ 4 روپے میں مل رہی تھی، پھر بھی فلم بینوں کو متوجہ نہ کرسکی، ٹی وی پر بھی دکھائی گئی لیکن سید کمال کی لاگت بھی واپس نہ آسکی، پھر اسکرین سے ایسے غائب ہوئے کہ 1986 کے بعد 2009 میں یہ خبر شائع ہوئی کہ ماضی کے کامیاب اداکار سید کمال انتقال کر گئے ہیں، سیاست، اب تک پاکستان کی واحد آرٹ فلم ہے جسے حالیہ انتخابات میں بھی کئی چینلز پر ٹیلی کاسٹ کیا گیا۔ 1986 میں پرائیویٹ چینلز نہ تھے ورنہ کم از کم سید کمال کو اپنی فلم کی لاگت وصول ہوجاتی۔

ISSN # : 3080-9746

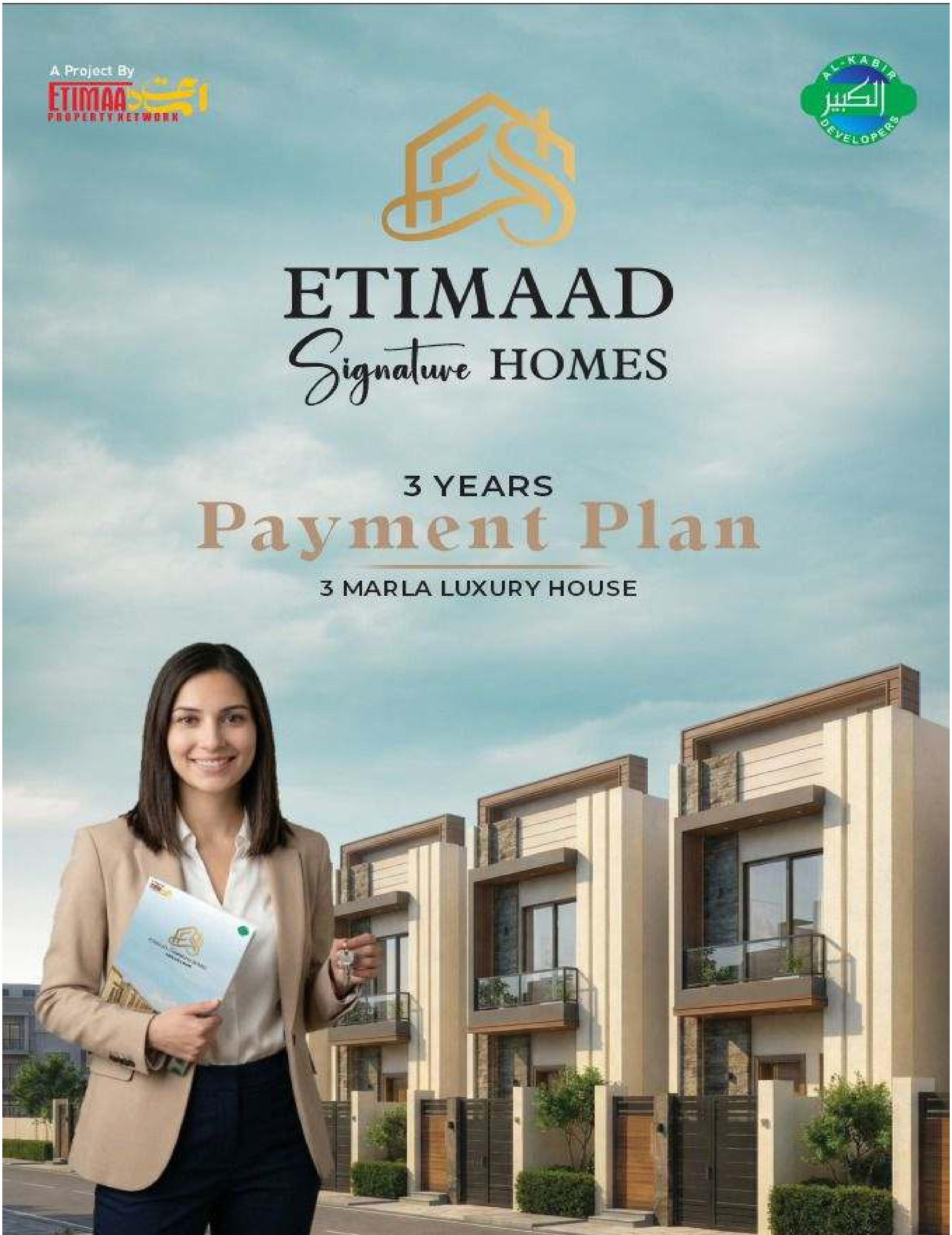

ISSN # : 3080-9746